محبت کے اَمَر دیپ

مکتوبات

حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ

مولف

مبارک احمد کھوکھر

انتساب

خاکسار اپنی اس عاجزانہ کاوش کو اپنی مرحومہ والدہ

محترمہ صفیہ بیگم زوجہ مکرم انشا اللہ صاحب کھوکھر کے نام کرتا ہے۔

جن کی دعاؤں کے طفیل خاکسار کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔

سن رائز پیکجز
8-ڈیوس روڈ، لاہور۔

انڈیکس

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	باعثِ تحریر آنکہ	1
2	میری اہلیہ کے خاندان سے حضور کے تعلقات کی ابتداء	3
3	خاکسار سے تعلقات کی ابتداء اور حضور کی پدرانہ شفقتیں	7
4	آپ کی ہمہ جہت شخصیت	24
5	خلافتِ احمدیہ کے ساتھ آپ کی عقیدت	31
6	حضور کی بھرپور مصروفیات اور جماعتی دورے	37
7	چند منتخب خطوط سے اقتباسات	56
8	آپ کے یادگار سفر	67
9	تائید و نصرتِ الٰہی کے چند واقعات	75
10	آپ کی مسیحائی	79
11	کھیلوں اور سیر سے آپ کی رغبت	83
12	ناصر آباد سندھ آپ کا مسکنِ ثانی	89
13	چھوٹے بچوں سے محبت	92
14	قبل از خلافت کراچی سے ربوہ کا آخری سفر	99
15	تیری عاجزانہ راہیں اُسے پسند آئیں	106
16	خلافت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تیاری	112
17	انتخابِ خلافت سے ہجرت تک کا دور	125
18	حضور کی ہمراہی میں سفرِ یورپ	146
19	دورہ آسٹریلیا و مشرقِ بعید	152
20	ہجرتِ انگلستان	157
21	غروبِ آفتاب	179

پیش لفظ

خاکسار اُن خوش نصیبوں میں سے ہے جس کو سیدنا حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب کا قرب نصیب ہوا جس کا دورانیہ 35 سالوں پر محیط ہے الحمدللہ۔ حضور کی رحلت کے بعد دل بار بار آپ کی پاک ومطہر سیرت کے بارے میں کچھ لکھنے کی طرف راغب ہوتا دوست احباب بھی اس طرف توجہ دلاتے رہے مگر اس عاجز کیلئے یہ بہت کٹھن اور مشکل کام تھا کیونکہ لکھنے پڑھنے سے نابلد ہونیکی وجہ سے اس کام کیلئے ہمت باندھنا ایک مشکل ترین امر تھا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز کو یہ سعادت عطا کرنے کا فیصلہ کرلیا تو پھر خود ہی سلطانِ نصیر بھی عطا کر دیا۔ حضورؒ کے ڈھیر سارے خطوط میں سے ایسے اقتباسات نکالنے جن سے آپ کی سیرتِ طیبہ پر روشنی پڑتی ہے ایک مشکل کام تھا۔ اللہ تعالیٰ میرے مہربان محسن مکرم وسیم احمد صاحب شمس مربی سلسلہ عالیہ کو اعلیٰ ترین جزا عطا فرمائے جنہوں نے اپنا قیمتی وقت دیا اور تکلیف اٹھا کر خاکسار کے غریب خانہ پر تشریف لاتے رہے اور اس کتاب کی تصنیف میں میرے مددگار رہے۔ نیز اس کتاب کی کتابت کو عزیزان عدیل احمد شاہد اور وسیم احمد محمود بٹ نے ایک طویل عرصہ تک انتھک محنت کرتے ہوئے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ فجزاللہ خیراً۔

زیرِ نظر کتاب میں جہاں قارئین کو حضور انور کی شخصیت کے بعض گوہر پنہاں دکھائی دینگے وہاں آپ کی نابغہِ روزگار ہستی کا حسن اس طرح بھی عیاں ہوگا کہ آپ کی شخصیت ہر پہلو سے ایک تراشیدہ جوہر تھی جس کو قدرت نے کمال مہارت سے اس طرح تراشا تھا کہ کسی بھی زاویہ نظر سے دیکھا جائے اسکا حسن یکساں طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔

جہاں یہ عاجز قارئین کی دعاؤں کا محتاج ہے وہاں میری اہلیہ امتہ الجمیل صاحبہ بھی احباب کی خصوصی دعاؤں کی حقدار ہیں جن کی وساطت سے یہ فیض مجھے نصیب ہوا۔

طالبِ دعا:

مبارک احمد کھوکھر

مردِ حق کی دعا

باعث تحریر آنکہ

سیدی و مرشدی و مخدومی سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے دوران خلافت سے پہلے اور بعد اپنے اِس ادنیٰ چاکر اور ناچیز غلام اور اسکی اہلیہ امتہ الجمیل کو سینکڑوں خطوط اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمائے۔ جو علم و ادب کا ایک حسین شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ رشد و ہدایت اور تربیت کے ایک لازوال خزانہ پر مشتمل ہیں۔ خاکسار کو یہ سعادت اپنی کسی نیکی، خوبی یا کمال کے باعث ہرگز عطا نہیں ہوئی بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور ''حضور کی بندہ پروری ہے''

میرے حضور اگر محض مرزا طاہر احمد ہوتے تو آپ کی یہ ڈھیر ساری عنایات صرف اس عاجز کی ذاتی زندگی تک محدود ہوتیں لیکن مولا کریم کی نظرِ کرم نے آپ کا انتخاب بطور امام جماعت احمدیہ فرما کر آپ کی ہستی کو اَمر کر دیا اور آپ کو ایک بین الاقوامی اور انقلابی وجود میں ڈھال دیا نتیجۃً آپ کی زندگی کے دونوں پہلو قبل از خلافت اور بعد ہا یکساں طور پر اہمیت اختیار کر گئے۔ درحقیقت مقربین الٰہی کی حیات طیبہ کے ہر دو پہلو اُن کے تقرب الی اللہ کی دلیل ہوتے ہیں۔

حضور نے جو ذرہ نوازیاں اس ناچیز اور اس کے اہل خانہ پر فرمائیں وہ ایک مہربان اور مشفق باپ ہونے کے ساتھ ساتھ امام وقت کی حیثیت سے بھی تھیں۔ اگرچہ حضور کے یہ تمام خطوط ہمارے نام ذاتی حیثیت کے ہیں لیکن اِن میں جو نصائح، زندگی گزارنے کے قرینے اور ایک احمدی کی ترجیحات کا تعین جو حضور رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے وہ دراصل ہر احمدی کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

ان خطوط کا دوسرا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ان سے حضور پُرنُور رحمہ اللہ کی سیرت اور پاکیزہ زندگی کی عکاسی ہوتی ہے جو ہمارے لیے یقیناً قابلِ تقلید ہے۔ پس انہی امور کے پیشِ نظر یہ ذاتی سرمایہ احباب میں تقسیم کرنے کی ٹھانی ہے۔

نیز یہ عاجز بخوبی سمجھتا ہے کہ فضلوں کی یہ بارش اس اکیلے مشتِ خاک کی میراث نہیں بلکہ یہ جماعت کے ہر فرد کی امانت ہے جو اس نالائق کے سپرد کی گئی ہے۔ اس لئے اپنی تمام تر کم مائیگیوں اور ناتوانیوں کے باوجود دل بار بار اس قرض کی ادائیگی کے لئے اکساتا اور مجبور کرتا ہے اور اسی احساس نے میرے ہاتھ میں قلم تھما دیا۔ وباللہ التوفیق۔

خاکسار
طالبِ دعا
مبارک احمد کھوکھر

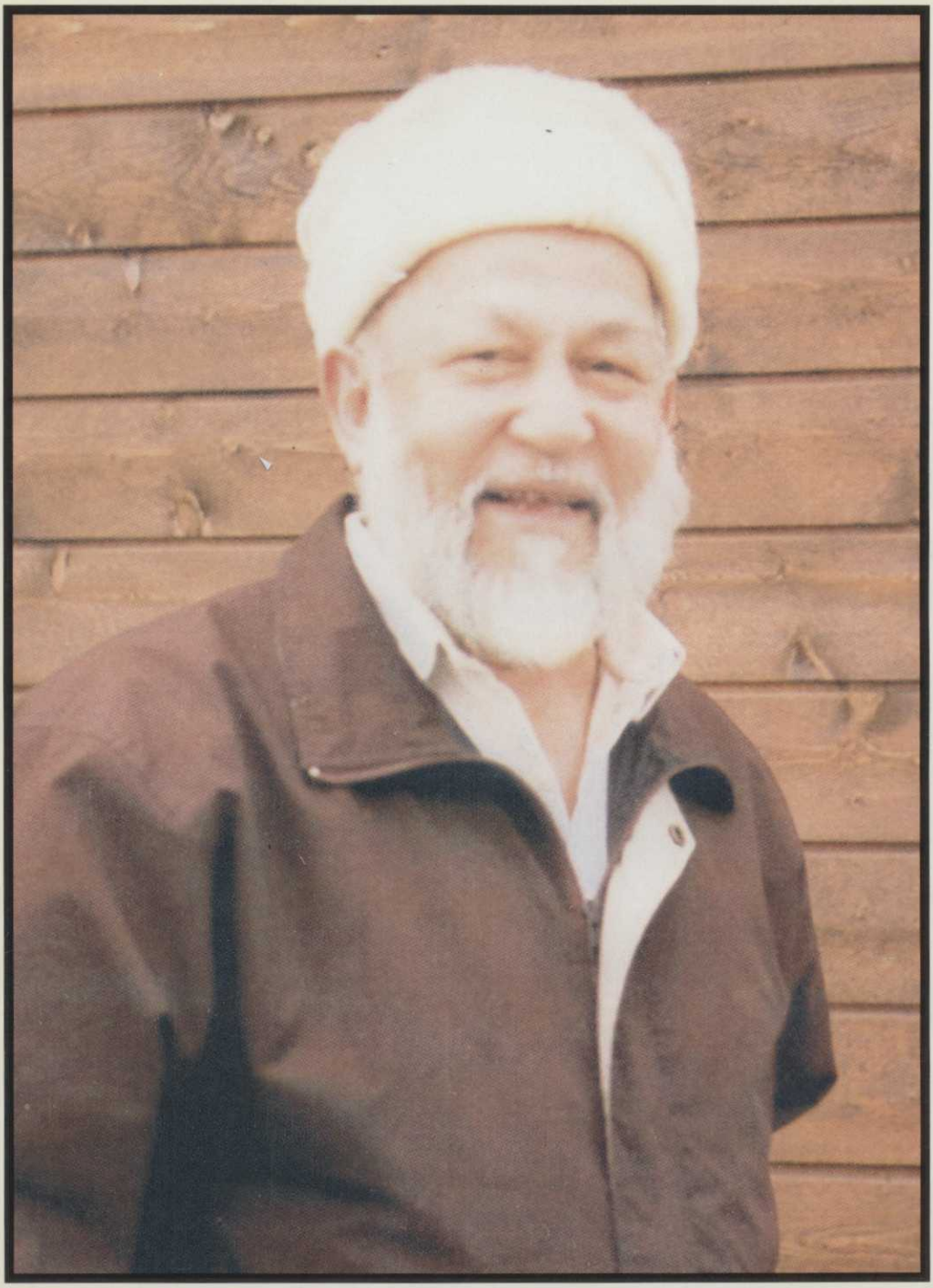

پھول تم پر فرشتے نچھاور کریں

﴿ میری اہلیہ کے خاندان سے حضور کے تعلقات کی ابتداء ﴾

حضرت بھائی جی عبدالرحمان صاحب قادیانی (رفیق حضرت اقدس مسیح موعود) خاکسار کی اہلیہ کے نانا تھے اور خاکسار کی خوشدامن محترمہ امتہ الرحیم صاحبہ مرحومہ انکی بیٹی تھیں۔ یہ خاندان شروع سے ہی قادیان میں رہائش پذیر تھا اور حضرت بھائی جی عبدالرحمان صاحب قادیانی سیدنا حضرت مسیح موعود کے خادم خاص اور رفیق تھے۔ ان کے اس تعلق کے باعث خاندان مسیح موعود کے افراد بھائی جی اور ان کے اہل خانہ سے ایک خاص تعلق مہر وعنایت رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت سیدہ امِ طاہر صاحبہ کا خاکسار کی خوشدامن امتہ الرحیم صاحبہ کے ساتھ بیٹیوں والا تعلق قائم ہوگیا اور اپنی والدہ کے اس تعلق کو حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے بعد میں خوب نبھایا۔ میرے خُسر مکرم مرزا برکت علی صاحب مرحوم کلانور (بھارت) کے رہنے والے تھے آپ ایک خواب کی بنا پر اپنے خاندان میں اکیلے احمدی ہوئے آپ کی شادی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت بھائی جی قادیانی کی اکلوتی بیٹی امتہ الرحیم صاحبہ سے طے فرمائی۔

آپ پیشہ کے لحاظ سے انجینئر تھے، ایک طویل عرصہ تک ایران کی تیل کمپنیوں میں ملازمت کرتے رہے بعد ازاں مستقل طور پر عراق نقل مکانی کر گئے اور وہیں وفات کے بعد مدفون ہیں۔ دیارِ غیر میں قیام کے دوران آپ جماعتی خدمات بجالاتے رہے اور امیر جماعت ایران وعراق کے عہدہ پر فائز رہے۔ آپ بھی میرے حضور کے ساتھ عقیدت واحترام کا تعلق رکھتے تھے، اسی تعلق کی بنا پر آپ نے اپنی بیٹیوں کے گھر بسانے کی ذمہ داری حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کے سپرد کی جس کا مفصل ذکر اگلے صفحات پر ملے گا۔

یہ 1965ء کے ابتداء کی بات ہے جب خاکسار کی خوشدامن صاحبہ اپنی دو بیٹیوں امتہ الکریم صاحبہ اور امتہ الجمیل صاحبہ کے ہمراہ کچھ عرصہ قیام کی غرض سے عراق سے پاکستان تشریف لائیں ربوہ جانے سے قبل چند یوم لاہور میں حضور رحمہ اللہ کی خوشدامن صاحبزادی امتہ السلام بیگم صاحبہ کے ہاں قیام کیا۔ حضرت سیّدہ نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ بنت حضرت اقدس مسیح موعود بھی ان دنوں ماڈل ٹاؤن لاہور میں قیام پذیر تھیں۔ حضرت سیّدہ نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ بھی میری اہلیہ کے خاندان سے مہر و عنایت کا تعلق رکھتی تھیں لہٰذا تینوں ماں بیٹیاں حضرت بیگم صاحبہ سے ملاقات کیلئے ان کے ہاں گئیں میری اہلیہ کی حضرت بیگم صاحبہ سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ بعد ازاں آپ کی وفات تک میری اہلیہ کا آپ سے خادمانہ تعلق رہا آپ کی خدمت میں خط لکھا کرتی اور آپ کی شفقت اور دعاؤں کی وارث بنتی رہی۔ 11 اپریل 1982 کو آپ نے میری اہلیہ کے خط کا جواب از راہِ شفقت اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا وہ پیشِ خدمت ہے۔

''میری پیاری جمیل سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگر تم مجھ سے پیار کرتی ہو تو میں کب پیار میں کمی کرتی ہوں میں تو اس دن سے تم سے پیار کرنے لگی تھی جس دن بغداد سے لاہور آکر سیدھی میرے پاس ماڈل ٹاؤن آئیں تھیں۔ مجھے اب بھی تمہاری وہی شکل یاد ہے۔ خط میں اب نہیں لکھ سکتی اُس وقت لکھ سکتی تھی اب ہاتھ بہک جاتا ہے اب اصل میں نہ دماغ میں طاقت ہے نہ دل میں جب بھی آیا کرو مجھے ملے بغیر نہ جایا کرو تمہاری خاطر میں نے اتنا لکھ دیا ہے اچھا خدا حافظ بچوں کو پیار۔

امتہ الحفیظ بیگم''

لاہور میں چند دن قیام کرنے کے بعد یہ ماں بیٹیاں ربوہ پہنچیں اور حضرت سیّدہ مہر آپا حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ہاں فروکش ہوئیں۔ اُن دنوں حضور نائب صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ تھے۔ اور جماعتی دورے پر ربوہ سے باہر گئے ہوئے تھے واپس تشریف لائے تو اِن تینوں ماں بیٹیوں کو اپنے گھر لے گئے۔ جہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد امتہ الرحیم صاحبہ تو واپس عراق تشریف لے گئیں۔ لیکن اپنی بیٹیوں کو حضور کے گھر تعلیم و تربیت کی غرض سے چھوڑ گئیں۔

کچھ عرصہ بعد حضور نے بڑی بہن آپا امتہ الکریم کا رشتہ مکرم مرزا لطف الرحمٰن صاحب واقفِ زندگی سے طے کرتے ہوئے ان کو اپنے گھر رخصت کر دیا اور امتہ الجمیل نے جامعہ نصرت میں داخلہ لے کر اپنی تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ امتہ الجمیل کا قیام حضور کے گھر چار سال تک 1965 تا 1968 رہا۔ اس طویل عرصہ کے دوران حضور اور حضرت سیدہ آصفہ بیگم صاحبہ نے کمال محبت اور شفقت سے امتہ الجمیل کا حقیقی بیٹی کی طرح خیال رکھا اور ماں باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ اسی طرح امتہ الجمیل نے بھی ایک حقیقی بیٹی کے روپ میں ایک فعال کردار ادا کیا۔ ہر پہلو سے معاون و مددگار بنی۔ اُن دنوں کو یاد کرتے ہوئے حضور نے 18 جون 1969ء کو اپنے ایک خط میں درج ذیل تذکرہ فرمایا۔

''تم کتنی سعید فطرت اور نیک دل ہو۔ مجھے تم نے جب سے اپنا بڑا بنایا ہے کبھی کسی شکوے کا موقع نہیں دیا۔ ہمیشہ میرے پُرخلوص مشورہ کو خواہ تمہارے فیصلہ کے کیسا ہی مخالف کیوں نہ ہو تم نے بخوشی قبول کیا اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اس کی جزا بھی تمہیں عطا فرمائی۔

مجھے تمہارا خط پڑھتے، پڑھتے وہ دن یاد آ گیا جب تم فوری طور پر واپس (عراق) جانے پر تیار ہو گئی تھی مگر میرے مشورہ پر ارادہ بدل دیا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جنہوں

نے تمہیں میرے بہت قریب کر دیا ہے اور میں تمہاری ہر طرح کی ذمہ داری اپنے اوپر سمجھتا ہوں اور انشاء اللہ باتوفیق الٰہی اپنی بساط کے مطابق اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کی طرح تمہارا خیال رکھونگا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دین و دنیا کی نعمتیں اور خوش بختیاں عطا فرمائے اور میری طرف سے تمہیں کبھی شکوے کا موقع ہاتھ نہ آئے۔''

دسمبر 1967ء یکم رمضان میرے سسر مکرم مرزا برکت علی صاحب دل کا دورہ پڑنے سے وفات پا گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اُنکی وفات کی اطلاع حضور کو 3 رمضان کو موصول ہوئی۔ لہٰذا بعد از افطار حضور نے دونوں بہنوں کو نہایت مشفقانہ انداز سے اس سانحہ کی اطلاع دی اور نہایت ہی پیارے انداز سے تسلی اور تشفی دی۔ باپ کا نعم البدل بن کر اپنا دستِ شفقت دونوں کے سر پر رکھا اور تا حیات آپ کا یہ فیض جاری رہا۔

باپ کی وفات کے بعد امتہ الجمیل کی سب سے چھوٹی بہن عزیزہ امتہ اللطیف کو بھی حضور کے ہاں ربوہ بھجوا دیا گیا۔ بہن کے آنے کے بعد امتہ الجمیل کی ذمہ داری میں ایک اور اضافہ ہو گیا اور از خود فیصلہ کیا کہ اپنی شادی سے قبل چھوٹی بہن کی شادی ہونی ضروری ہے۔ لہٰذا اپنے جذبات کا اظہار حضور سے کیا۔ حضور نے حالات کے پیش نظر تگ و دو کر کے امتہ اللطیف کا رشتہ مکرم ملک لال خان صاحب (موجودہ امیر جماعت کینیڈا) کے ساتھ طے کر کے امتہ اللطیف کو اپنے گھر رخصت کر دیا۔ بعد ازاں امتہ الجمیل کی شادی کا مرحلہ حضور کے پیش نظر تھا اور دُعاؤں کے ساتھ کوشاں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز، ناچیز کا تعلق اپنے پیارے سے قائم کرنا تھا لہٰذا اُسی نے اپنے فضل سے وہ حالات پیدا کر دیئے جن کی بدولت آپ کی ذات اقدس سے خاکسار کا قلبی تعلق دائمی حیثیت میں قائم ہوا۔ جن حالات میں اس عاجز کو یہ دولت نصیب ہوئی اُن کا مفصل ذکر اگلے صفحات پر درج ہے۔

﴿ خاکسار سے تعلقات کی ابتداء اور حضور کی پدرانہ شفقتیں ﴾

خاکسار 1968 میں بحیثیت بنک افسر اسلام آباد میں متعین تھا۔ حضرت ڈپٹی محمد شریف صاحب کے صاحبزادے مکرم شریف احمد صاحب مرحوم جو کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ہم زلف تھے بسلسلہ ملازمت اسلام آباد میں قیام پذیر تھے اور میرے بنک کے کھاتہ دار تھے مرحوم اس عاجز سے نہایت شفقت کا تعلق رکھتے تھے۔ اُن کی اہلیہ آپا ناصرہ بیگم صاحبہ اپنی ہمشیرہ حضرت مہر آپا مرحومہ سے تعلق کے باعث امتہ الجمیل کے رشتہ کی تلاش میں حضور کی مدد کرنا چاہ رہی تھیں۔ مکرم شریف احمد صاحب نے خاکسار سے رابطہ کر کے اس رشتہ کی تحریک کی اور اپنے گھر سیدہ آپا ناصرہ صاحبہ سے ملوانے کی غرض سے مدعو کیا۔ ان دنوں خاکسار کے دادا جان مکرم محمد شفیع صاحب مرحوم میرے ہاں اسلام آباد میں قیام پذیر تھے۔ لہٰذا اپنے دادا جان کے ہمراہ مکرم شریف احمد صاحب کے گھر گیا۔ ضروری گفت وشنید کے بعد میرے دادا جان کو امتہ الجمیل کا رشتہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب سے مانگنے کی تحریک کی۔ دادا جان نے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کے ساتھ خط وکتابت کر کے یہ رشتہ طے کر لیا لیکن حتمی منظوری حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے عطا فرمانی تھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ان دنوں بھوربن میں قیام پذیر تھے۔ لہٰذا اس عاجز کو حضور نے بھوربن طلب فرما کر شرف ملاقات بخشا اور از راہ شفقت ہمارے رشتہ کی منظوری عطا فرمائی 14 جولائی 1968 کو حضور رحمہ اللہ نے بیت المبارک ربوہ میں ہمارے نکاح کا اعلان فرمایا بعد ازاں 20 اگست 1968 کو خاکسار بارات لیکر حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ کے درِ دولت پر حاضر ہوا اور حضور کی دُعاؤں کے ساتھ امتہ الجمیل کو بیاہ کر لایا۔

خاکسار شادی سے قبل حضور رحمہ اللہ سے ذاتی طور پر متعارف نہ تھا۔ تعلیم السلام کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران ربوہ میں رہتے ہوئے آپ کی زیارت ہوا کرتی تھی۔ صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کی حیثیت میں آپ کے مقام سے شناسا تھا۔ شادی سے تقریباً ایک ماہ قبل خاکسار کے نکاح کی تقریب پر آپ سے ملاقات ہوئی۔ اُس وقت سخت حجاب میں مبتلا تھا۔ نکاح کے بعد حضور رحمہ اللہ نے اپنے گھر پر دعوت کا انتظام کیا ہوا تھا۔ کھانے سے فراغت کے بعد حضور نے بے حد پیارے انداز میں خاکسار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''جانے سے قبل اپنی دلہن کو دیکھ جانا'' خاکسار کیلئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا موقع ملتے ہی خاموشی سے واپس اسلام آباد چلا گیا۔ شادی کے بعد خاکسار کا حضور کے ساتھ ایک قلبی تعلق پیدا ہوگیا جو آپ کی وفات تک لحہ بہ لحہ بڑھتا رہا، یہ داستان 35 سالوں پر محیط ہے۔ یہ طویل سلسلہ مہر و وفا اپنے دامن میں نہایت بے تکلفی، پیار و محبت، شفقت و احسان اور ذرہ نوازیوں کی اَن گنت اور لازوال داستانیں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس دوران خاکسار کو اپنے آقا کا بے حد قرب نصیب ہوا اور مختلف زاویہ ہائے نظر سے آپ کی گوناں گوں شخصیت کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملتا رہا۔ الحمدللہ

دیکھا ہے اسکو خلوت و جلوت میں بار بار
وہ آدمی بہت ہی عجیب و غریب تھا

لیکن اُس قد آور شخصیت اور عظیم ہستی کے گُن گِننا، اوصافِ کریمانہ کو بیان کرنا اور آپ کی ہمہ جہت سیرت کا احاطہ کرنا مجھ جیسے بے زبان اور بے حقیقت وجود کے لئے بھلا کہاں اور کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔

وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

شادی کے بعد ملاقاتوں اور خطوط کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ کی ذات اپنی تمام تر حسین خوبیوں کے ساتھ خاکسار پر اجاگر ہونی شروع ہوئی۔ آپ نے ہماری شادی کے معاً بعد جو خطوط لکھے اُن میں سے چند کے اقتباسات ہدیہ قارئین کر رہا ہوں۔

محررہ 4 نبوت 1347/68 ہش از ربوہ

''پیارے عزیزم مبارک احمد السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عزیزہ امتہ الجمیل نے یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ یکم سے اپنا گھر خود چلا رہی ہیں۔ اب تو وقت گزر گیا پہلے پتہ ہوتا تو لکھتا کہ اُس دِن صدقہ ضرور دے دینا اُس کا کفارہ اب یوں ادا کریں کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو جمیل جو کھانا پکایا کرے اس میں ایک غریب کا حق رکھ لیا کرے۔ اللہ تعالیٰ اُس کے رزق اور خوشیوں میں بہت برکت دے اور دل بھی کشادہ کرے اور استعدادیں بھی اور بنی نوع انسان کی خدمت کی توفیق بخشے اور اپنی خالص محبت آپ دونوں کے دلوں میں اور آپکی پاکیزہ اولاد کے دلوں میں پیدا کرے۔ بہت بہت مبارک باد میری طرف سے جمیل کو دیں اور ذیل کا خط اُسے پڑھا دیں مجھے اپنی دُعاؤں میں یاد رکھتے رہیں اور اپنا اور جمیل کا خیال رکھیں ہمیں جمیل آپ سے الگ پیاری نہیں بلکہ آپ بھی بہت زیادہ عزیز ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمارے اس رشتہ کو مضبوط تر اور پاکیزہ تر کر دے۔ آمین

والسلام

مرزا طاہر احمد ''

MASTER BIBLIOGRAPHY of Ahmadiyya literature Project

''پیاری عزیزہ امتہ الجمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارا گھر چلانا بہت بہت مبارک کرے۔ سخت دل چاہ رہا ہے کہ خود آ کر دیکھوں۔ تمہارے جانے کے بعد یہ احساس بڑی شدت سے پیدا ہوا کہ شوکی، فائزہ کو بھی ایک دن رخصت کرنا پڑے گا۔ لڑکیاں پرائی ہوتی ہیں اور اپنے گھر میں بھی مہمان رہتی ہیں۔ اس تجربہ سے شوکی فائزہ کی بھی قدر آ گئی ہے اور مجبوری کے سوا دل نہیں چاہتا کہ وہ نظر سے اوجھل ہوں۔ مانی کے نام (سیدہ بیگم صاحبہ) تمہارے پُرخلوص خط پڑھ کر بہت ہی خوشی ہوئی تم میری توقعات پر پوری اتر رہی ہو اور اپنے خاوند کا خیال رکھ کر اور گھر کو جنت بنا کر اور پھر ہمیں بھی یاد کر کے آنکھوں اور دل کی ٹھنڈک کا موجب ہو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا بنائے اور تم پر پیار اور رحمت کی نظر کرے اس سے بڑھ کر دُعائیں میں تمہیں اور کوئی نہیں دے سکتا..... والسلام خاکسار ماموں''

محررہ یکم افاء 1347/68 ہجری

''پیاری عزیزہ امتہ الجمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ایک خط تمہیں کل لکھا تھا ایک آج لکھ رہا ہوں۔ اگر اس کے بعد بھی کبھی روس جاؤ (ناراض ہو جاؤ) تو کیا انصاف ہوگا۔

یہ خط کل والے خط کا تتمہ ہے۔ ایک ضروری نصیحت کرنی تھی جسے ہمیشہ پلے سے باندھ کر رکھنا۔ خواہ کیسی ہی تنگی ہو سلسلہ کا چندہ ضرور پہلے اور باقاعدگی سے نکالتی رہنا۔ مزید براں چندہ 1/16 کے علاوہ تحریک جدید، وقفِ جدید، خدام الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ وغیرہ کے چندے بھی حسب توفیق ضرور باقاعدگی سے ادا کرتی رہنا۔ یقین جانو اور ایک دلی خیر خواہ کی بات پر یقین کرو کہ تم دونوں کے لئے اسی میں برکت ہے

اور خدا تعالیٰ خود تمہارا نگران اور کفیل ہو جائیگا۔ خدا کی راہ میں جو بھی تم دو گے اللہ تعالیٰ اسے کبھی ضائع نہیں کریگا۔ میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی کم مائیگی کے باوجود ہمیشہ تمہارے لئے دُعا گو رہونگا۔ والسلام تمہارا ماموں ''

محررہ 2 افاء 1347/68 ہجری شمسی

''پیاری عزیزہ امتہ الجمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تم بھی حیران ہوگی کہ ماموں کو کیسا سودا اٹھا ہے کہ خط نہیں لکھتے تھے تو لکھتے ہی نہیں تھے اور اب لکھنے لگے ہیں تو روزانہ ہی ایک خط صادر کرنے لگے ہیں۔ اس طرز عمل کی دو وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ میں کچھ باتیں پہلے والے خط میں لکھنا بھول گیا تھا اور کچھ کل والے خط میں اور اگر آج والے خط میں بھی لکھنا بھول گیا تو یقین جانو کہ ایک خط کل بھی تمہیں تنگ کرنے پہنچ جائے گا۔

بات جو لکھنا بھول گیا تھا اور ہے بہت ضروری وہ یہ ہے کہ حضرت اقدس خلیفۃ المسیح کی خدمت میں نہ صرف عزیز مبارک کی ترقی کے لئے دعا کا خط باقاعدگی سے لکھتی رہو بلکہ دینی اور دنیاوی کامیابیوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے بھی دُعا کی درخواست کرتی رہو اس بارہ میں کبھی غفلت نہ کرنا۔ میرے تجربہ سے فائدہ اٹھاؤ۔

دوسری بات یہ ہے کہ نماز میں سستی نہ کیا کرو اور عزیز مبارک سے کہہ کر اگر ممکن ہو تو اپنے گھر میں باجماعت نماز کا انتظام کرلو۔ وقت مقرر کر لینے چاہییں اُس وقت جو بھی موجود ہو باجماعت نماز ادا کرے۔ عزیزم مبارک احمد امام بن جائیں۔ میں بھی وہاں آؤنگا تو ان کے پیچھے نماز پڑھا کرونگا۔

تیسری بات یہ تھی کہ روزانہ سیر کے لئے پنڈی جانے سے بہتر ہے اسلام آباد کی پاکیزہ اور دلکش فضا میں گھاس کے ٹیلوں پر تم دونوں سیر کے لئے نکل جایا کرو اور قدرت کے حُسن سے لطف اندوز ہو۔ ہاں کبھی کبھی ریسٹورنٹ جانا ہو یا آئس کریم کھانی ہو تو بے شک شہر کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔

آخر پر اتنا بتاؤ کہ میرے خطوط سے اور نصیحتوں سے تنگ تو نہیں آ گئے تم دونوں۔ یہ تو نہیں کہہ رہے دل میں کہ بڑا آیا نصیحتیں کرنے والا پہلے اپنے آپ کو تو دیکھے میں اپنے آپ کو کیا دیکھوں اگر ایسا کروں تو تمہیں کیا دنیا میں کسی کو بھی کوئی نصیحت کرنے کا اہل اور حقدار نہیں۔ میں جو سمجھانے کی باتیں لکھتا ہوں تو اپنے آپ کو نہیں بلکہ اپنے دل کو دیکھتا ہوں .....۔

ہاں جاتے جاتے ایک بات بتا دو کہ جس طرح میں تمہارے لئے دل کی گہرائیوں سے دُعائیں کرتا ہوں کبھی تم نے بھی کی ہیں؟ میری بخشش میرے انجام بخیر کے لئے۔ نہیں نا؟

والسلام

مرزا طاہر احمد"

محررہ 25 نبوت 1347/68 ہش

"پیاری عزیزہ امتہ الجمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں تو باقاعدہ تم دونوں کے لیے دُعا کر رہا ہوں۔ تم یاد رکھتی ہو یا نہیں؟ رکھتی تو ضرور ہو گی ویسے ہی پوچھ لیا ہے۔ تمہاری دین اور دنیا کی بھلائی کے لئے بہت اچھی اچھی دُعائیں کر رہا ہوں۔ ویسے اپنی حالت پر نظر ڈال کر "زبان چلتی نہیں شرم و حیا ہے" والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بہت رحیم و کریم ہے اور

پھوپھی جان (سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ) کا یہ مصرعہ دُعا پر جرأت دِلا دیتا ہے کہ

''میرے گناہ تیری بخشش سے بڑھ نہیں سکتے''

مبارک کے انتخاب کا مزید اروا قع پڑھ کر بہت لطف آیا۔ زیب داستان کے لئے جو تم نے بڑھایا ہے اُسے چھوڑ بھی دیا جائے تو کم از کم اتنا تو ہے نا۔ کہ کسی معصوم کو یہ خیال آیا کہ مبارک دین کی طرف پہلے سے زیادہ مائل ہیں۔ مبارک کو بھی اس پر شاباش ملنی چاہیے مگر تمہیں اُس سے بھی زیادہ کیونکہ تمہارا نیک اثر ظاہر ہو رہا ہے اور یہ سب شادی کی برکت ہے۔ دوسری خوشی کی خبر میرے لیے یہ تھی کہ صدر لجنہ کی نظر انتخاب برائے سیکرٹری تمہارے اوپر پڑی۔ ماشاء اللہ، ماشاء اللہ۔ آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں یہ پڑھ کر دل خوشی سے بھر گیا۔ یہ تو درست ہے کہ خط (خوش خطی) کی مجبوری سے تم اچھی سیکرٹری نہ بن سکو گی۔ لیکن آخر تم میں کچھ نیکی پائی، کوئی دین سے تعلق دیکھا تو تمہارا نام اُن کے ذہن میں آیا۔ سچ کہتا ہوں یہ واقعہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اللھم زدفزد۔ عہدہ ہو نہ ہو اپنی خدمات عہدیداروں کے سامنے خلوص کے ساتھ پیش کئے رکھو۔''

خط محررہ 01-06-70

''خدا تعالیٰ نے جو خاوند کے حقوق اور صِلہ رحمی کے حقوق قائم کئے ہیں انہیں نظر انداز کرنے یا معمولی سمجھنے کی جرات کبھی نہ کرنا۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں انسان کو اللہ تعالیٰ کے پیار اور شفقت سے محروم کر دیتی ہیں۔ میرے نزدیک عورت نرمی، ملائمت اور نفاست کا نام ہے۔ جس میں انکسار کی ملونی اور ذہن کی جلا کو شامل کر دیا جائے تو عورت کا ایک مثالی مرقعہ بن جاتا ہے۔''

پیارے حضور کے سینے میں محبت کا ایک سمندر موجزن تھا۔ میری اہلیہ کے والد صاحب کی وفات پر شاید ہی چند لمحوں کے لئے اُس نے اپنے آپ کو بے سہارا سمجھا ہو۔ حضور نے اُس وقت جو دستِ شفقت اُس کے سر پر رکھا تو پھر وہ سلسلہ اُس کی ذات تک ہی محدود نہ رہا بلکہ بعد ازاں خاکسار اور ہماری اولاد کے ساتھ بھی آپ کی لامحدود محبتوں کا سلسلہ آپ کی زندگی کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ ہمارے درمیان گو کوئی خونی رشتہ نہیں تھا تاہم آپ کا ایک عہد تھا جس کو آپ نے تادم آخر خوب نبھایا اور ہماری گستاخیاں بھی آپ کی محبت اور شفقت میں کوئی کمی نہ لا سکیں بلکہ دن بدن آپ کی ذرہ نوازی اور احسان بڑھتا ہی چلا گیا۔ جس کی چند جھلکیاں پیشِ خدمت ہیں۔

ہماری شادی کے کچھ عرصہ بعد مورخہ **17/12/1969** کو خاکسار کے نام لکھے اپنے ایک طویل خط میں امتہ الجمیل کے ساتھ اپنے قلبی تعلق کا اظہار ایسے حسین اور دلنشین انداز میں فرمایا جو آج دن تک ہمارے دل و دماغ میں تازہ گلاب کی مانند مہک رہا ہے۔ اور رہتی زندگی تک ہمیں گراں بارِ احسان رکھے گا۔ فرماتے ہیں

"..... دوسرے جمیل کے ابا جان کی وفات کے بعد اُسکے اپنے بھائیوں یا رشتے داروں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس پر وہ کسی رنگ میں انحصار کر سکے اس لیے لازماً مجھے ہی اس نے یہ حیثیت دی میں نے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے کبھی اُس کے اعتماد کو نہیں ٹھکرایا بلکہ حسب توفیق پورے خلوص سے کوشش کی کہ سہارے اور ہمدردی کی جو توقعات وہ باپ یا ماں یا بھائی یا ماموں سے رکھ سکتی تھی انہیں خود پورا کروں اور اِسے کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دوں۔ ان سب بچوں میں ایک جمیل ہی ہے جس

نے واقعتاً مجھے اس طرح اپنا بڑا سمجھا، حق جمایا اور حقوق تسلیم بھی کیے چنانچہ جہاں میں ان باتوں میں اُسے ڈھارس دیتا تھا وہاں بعض باتوں پر سمجھانا بلکہ سختی سے ڈانٹنا بھی تھا۔ مگر اس نے کبھی بُرا نہیں منایا بلکہ ہر نصیحت کو تسلیم کیا اور اس کے مطابق عمل پیرا ہوئی۔ یہی حالات ہیں جن کی وجہ سے بظاہر مجھے ان سب بچوں میں جمیل سے زیادہ تعلق ہے۔ پس آپ کے فون کے اس فقرہ نے کہ جمیل کل اپنی پریشانیوں کے باعث روتی رہی مجھے سخت مغموم کر دیا ہے اور ایسی فکر دامن گیر ہوئی ہے کہ ہٹنے کا نام نہیں لیتی اُسے کہیں کہ مجھے دفتر کے وقت میں دفتر میں فون کر کے تسلی دے۔''

محررہ 01-06-1970

بنام امتہ الجمیل

''میں تمہیں اخلاقی طور پر نہایت اعلیٰ اور قابلِ رشک حالت میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ بظاہر اگرچہ ہمارے درمیان کوئی خونی رشتہ نہیں لیکن جس دیانت داری اور خلوص کے ساتھ میں شوکی، فائزہ کی بھلائی چاہتا ہوں اُسی طرح میں تمہاری تربیت اور بھلائی کی ذمہ داری بھی اپنے اوپر محسوس کرتا ہوں۔ اس میں کچھ میری نیکی نہیں بلکہ خود تم نے ہم پر یعنی آصفہ اور مجھ پر اتنا انحصار کیا اور اپنے آپ کو اس طرح ہم پر کلیتہً پھینک دیا کہ ہمارے لئے اس کے سوا چارہ ہی نہیں رہا کہ اس اعتماد کو پورا کریں۔ بہر حال کچھ بھی وجہ ہو نتیجہ یہی ہے کہ کم از کم میں تو تمہارے معاملات میں اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتا ہوں۔ آصفہ کا بھی یہی حال ہے اور وہ دل سے تمہیں چاہتی ہے۔''

میری اہلیہ کی طرف سے عیدی بھجوانے پر اپنے ایک خط محررہ **15/08/1981** میں فرماتے ہیں۔

"..... ہر عید پر تم اتنا شرمندہ کرتی ہو کہ آدمی بے بس ہو جاتا ہے۔ کئی دفعہ سمجھایا ہے کہ مجھ سے زیادہ عیدی نہ بھیجا کرو لیکن تم باز نہیں آتی اور شرمندہ کر کے ہی چھوڑتی ہو۔ یاد رکھو آئندہ سے عیدی کا فیصلہ تم نے نہیں کرنا۔ میں ابھی سے مقرر کر دیتا ہوں۔

عیدی

مونا طوبیٰ	پچیس پچیس روپے
شوکی فائزہ	پچاس پچاس روپے
آصفہ اور میں	عید مبارک

یہ فیصلہ گذشتہ عید پر بھی لگے گا یعنی تمھارے اڑھائی صد روپے میں نے واپس کرنے ہیں جو میں ساتھ لیتا آؤں گا....."

نیز اگلی عید کے موقعہ پر فرمایا

"..... بکی اور اوما بیچاروں کو عید سے پہلے ہی عیدی دے دی۔ اسی طرح ایک نہایت معمولی عید کا تحفہ جو محض علامتی حیثیت رکھتا تھا مبارک کو اور تمھیں بھجوایا تھا لیکن ساتھ پیسے نہیں تھے حالانکہ چند پیسے بھی ساتھ ہوں تو عیدی بنتی ہے اس خط کے ساتھ ڈیڑھ صد روپے کا ڈرافٹ بھجوا رہا ہوں۔ ہے تو بہت معمولی لیکن قبول کر کے ممنون فرماؤ۔ معمولی اس لیے ہے کہ اس عید پر (عید الفطر۔ ناقل) خاندان کی وسعت کے پیشِ نظر اکٹھا اتنا دباؤ پڑتا ہے کہ تھوڑا تھوڑا ہی پورا آ سکتا ہے۔ اوپر سے ماشاء اللہ،

چشمِ بددور حضرت اقدس مسیح موعود کی دعا ''اک سے ہزار ہوویں'' بڑی تیزی سے پوری ہورہی ہے.....''

خط محررہ 14/1/1982
بنام امتہ الجمیل

''.....تم سب بہنوں کے لئے میرے دل میں پُر خلوص ہمدردی ہے لیکن جو یقین اور اعتماد تم پر ہے ہرگز کسی اور پر نہیں ہوسکتا تم پر تو مجھے اتنا اعتماد ہے کہ اگر آتش فشاں کی طرح لاوا ابال رہی ہو تو میرے سمجھانے پر دیکھتے دیکھتے یہ آتش فشاں ٹھنڈا پڑ جائے یہی تمہاری سعادت ہے جس کی وجہ سے میرے دل میں تمہاری غیر معمولی قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بلند سے بلند تر بخت عطا فرمائے اور دنیا اور آخرت کی حسنات سے ہمیشہ تمہارا دامن بھرا رکھے اور نیک انجام کرے۔ آمین ''

آپ نے جہاں امتہ الجمیل کے لئے بار بار اپنے پُر خلوص جذبات کا اظہار فرمایا وہاں کچھ حصہ اس عاجز کو بھی نصیب ہوا۔ اپنے ایک خط محررہ **4-8-69** میں خاکسار کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''آپ کے دو خط۔ ایک فون ملے..... پہلے خط میں جس محبت اور خلوص کا آپ نے اظہار فرمایا ہے اللہ تعالیٰ مجھے اُس کا اہل بنائے۔ مجھے آپ سے بلاشبہ بہت گہرا تعلق ہے اور دل کی گہرائیوں سے آپ کا بہی خواہ ہوں۔''

میری والدہ مرحومہ کی بیماری کی وجہ سے میری درخواست دُعا کے جواب میں 29-7-80 کو فرماتے ہیں۔

''اماں جی کے لئے میرے دل میں جو احترام اور قدر ہے وہ آپ کی وجہ سے بھی ہے لیکن صرف آپ کی وجہ سے نہیں۔ برادرم افضل..... (میرے بڑے بھائی جان جنہوں نے راہِ مولیٰ میں جان کا نذرانہ پیش کیا) سے میرے تعلقات سکول کے زمانے کے تھے۔ جب آپ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے..... بہرحال افضل..... (کی قربانی) کی نسبت سے بھی اماں جی کی میرے دل میں گہری قدر اور خلوص کا تعلق ہے۔ اس لئے آپ کا خط آنے سے پہلے ہی باقاعدہ اُن کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ خط آنے کے بعد اس خیال سے کہ آپ کی کوشش رائیگاں نہ جائے رات ذرا زیادہ ہی توجہ سے دُعا کی۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے اُنہیں صحتِ کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے اور خوشیوں سے مامور لمبی زندگی عطا کرے اور آپ کے سر پر اُنکا بابرکت سایہ تادیر دراز رہے۔''

جیسا کہ حضور نے میرے بڑے بھائی جان مکرم محمد افضل (کی قربانی) سے اپنے تعلقات کا ذکر اپنے اس خط میں فرمایا۔ بعد ازاں یہ تعلق آپ کے دل کی گہرائیوں تک اتر گیا جس کی وجہ میرے بڑے بھائی جان محمد افضل صاحب اور ان کے بڑے بیٹے عزیزم اشرف محمود بعمر 24 سال کی یکم جون 1974ء کے دن گوجرانوالہ میں مخالفین احمدیت کے ہاتھوں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت تھی۔ اس سانحہ کے موقع پر میری والدہ مرحومہ کے صبر و استقامت کو دیکھتے ہوئے حضور نے جس محبت کا تعلق میری والدہ کے ساتھ رکھا وہ اس عاجز کا

سرمایہ حیات ہے میری والدہ اپنے بچوں کی قربانی کے چھ سال بعد 5 ستمبر 1980ء کو وفات پا گئیں۔ آپ کی وفات کے بعد پہلا جمعہ آیا تو آپ دورے پر راولپنڈی میں تھے جہاں آپ نے بیت النور مری روڈ میں جمعہ کی نماز پڑھائی اور خطبہ میں تفصیل کے ساتھ میری والدہ محترمہ کے غیر معمولی کردار پر روشنی ڈالی اور دُعا کی تحریک فرمائی۔

خاکسار نے آپ کے اس احسان عظیم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں خط لکھا جس کا جواب آپ نے اپنے درج ذیل خط میں دیا۔

محررہ 30-9-1980

''پیارے عزیزم مبارک احمد سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا محبت بھرا خط ملا آپ نے جو شکریہ ادا کیا بے محل ہے۔ میرا آپ سے تعلق ایک تو جمیل کے واسطے سے ہے اور ایک برادرم افضل مرحوم کے واسطہ سے ہے جو قادیان میں میرے کلاس فیلو تھے اور بعد میں بھی تعلق استوار رہا۔ ان کی اور اشرف کی .....(قربانی) نے یہ رشتہ بہت زیادہ گہرا اور استوار کر دیا۔ اسی طرح اماں جی مرحومہ مجھے بہت اچھی لگتی تھیں اُن کے لئے دُعا کی تحریک کرنا ایک ایسا طبعی اور بے اختیار جذبہ تھا جو آپ پر یا کسی پر احسان نہیں خود اپنے اوپر احسان تھا۔

والسلام

مرزا طاہر احمد ''

آپ کا یہ قلبی تعلق صرف ہم میاں بیوی کے تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ آپ نے جس انداز سے ہمارے بچوں سے ٹوٹ کر پیار کیا وہ ہمارے بچوں کا سرمایہ حیات ہے ہمارے بچے آپ کی ساری زندگی آپ کے پیار، شفقتوں اور دعاؤں کے وارث بنتے رہے۔ الحمدللہ آپ کو خصوصاً ہماری بیٹی عزیزہ اوما کلثوم اپنی بھولی بھالی اداؤں کی وجہ سے بے حد پیاری تھی آپ

کا ایک خط محررہ 13 مارچ 1985 جو آپ نے عزیزہ کو لکھا۔ اس وقت عزیزہ کی عمر 9 سال تھی پیشِ خدمت ہے۔

''پیاری اوما بیٹی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تم عجیب پیاری چیز ہو اور عجیب ادائیں ہیں تمہاری مجھے پتہ ہے تمہاری امی کو عیسیٰ زیادہ پیارا لگتا ہے اور ابا کو بکی (مظفر)۔ مگر مجھے تو تم ہی زیادہ پیاری لگتی ہو اور تمہارا ذکر بعض دفعہ اتنے پیار سے کرتا ہوں کہ لوگ حیرت اور کچھ رشک سے دیکھتے ہیں کہ آخر اوما کی کیا دلربا ادائیں ہیں جو دل سے اترتی ہی نہیں۔

ہاں یاد آ گیا ایک بات پوچھنی تھی بُرا نہ منانا کیا اب بھی تمہاری مس منہ پر ٹیپ لگا کر گھر بھجواتی ہے۔

مَاذق (مذاق) کا کرنا تو تم نے چھوڑ دیا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ بات بات پر روٹھ جانا تم نے نہیں چھوڑا۔ مجھ سے بھی یونہی بے وجہ روٹھی بیٹھی ہو۔''

میرے بڑے بیٹے عزیزم مظفر احمد (بکی) کو لندن سے ایک خط تحریر فرمایا۔

خط محررہ 27-6-1990

''پیارے بکی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ملا جو اتنا لمبا بھی نہیں تھا جتنا تم سمجھ رہے ہو اس وقت سے سنبھالا ہوا ہے کہ چلو ایک خط کا تو تمہیں اپنے ہاتھ سے جواب لکھوں۔ تمہاری اس خوشی میں جمیل بھی شامل ہو جائے گی۔

جو باتیں تم نے لکھی ہیں میرے لئے نئی تو نہیں سب جانتا ہوں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ تم سب بچوں کو مجھ سے کتنا تعلق ہے۔ نہ باپ کے کسی رشتہ دار سے ایسا ہے اور نہ ماں

کے کسی رشتہ دار سے اس لئے جو تم نے اس خط میں نہیں لکھا ہے مجھے وہ بھی معلوم ہے۔ رہا جمیل کا معاملہ تو جس دن سے وہ میری کفالت میں آ کر رہی ہے اس کا تو سب کچھ میں ہی بن گیا ہوں۔ ماں سے بڑھ کر اور کیا رشتہ ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ ماں سے بڑھ کر مجھ پر اعتماد کرتی ہے اور ہر مشکل کے وقت خدا کے بعد اس دنیا میں مجھ سے ہی سہارے کی توقع رکھتی ہے۔ لہٰذا میں بھی حتی المقدور کوشش کرتا ہوں کہ اس کی امیدوں پر پورا اتروں۔ میرے ساتھ جو پاکیزہ تعلق تم بچوں کو ہے یہ دراصل اُسی نے تمہیں گھٹی میں پلایا ہوا ہے۔

اب تک تمہیں یقین آچکا ہوگا کہ میں اُس سے بہت زیادہ جانتا ہوں جو تم نے لکھا ہے۔ اللہ تمہیں دونوں جہاں کی حسنات سے نوازے اور امی ابا کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے رکھے۔ آمین اور رضائے باری تعالیٰ کی دائمی جنت تمہیں نصیب ہو۔

خدا حافظ

والسلام

مرزا طاہر احمد ''

میرے چھوٹے بیٹے عزیزم عیسیٰ تیمور احمد نے آٹھ نو سال کی عمر میں حضور کو انگلش میں خطوط لکھنے شروع کئے۔ دو جوابات حضور نے اپنے دستِ مبارک سے لکھے جو پیشِ خدمت ہیں۔

16-7-91

" My Dear Issa السلام علیکم ورحمۃ اللہ

I was delighted to receive your charming letter. I was surprised i could not belive my eyes ماشاء اللہ چشم بددور Allah bless you. Are you comming at this Jalsa? Hope if you decide to come your mother will also come along. Poor father!

Love to Oma, Bickie and all

Yours with Love

M. T. Ahmad "

3-7-92

" My Dear Issa السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

Thank you very much for your sweet letter. you know we all love you so much and Mani (Begum Sahiba) also liked you so much.

Allah bless you and grant you the very best of this life and of the life to come.

with love

M. T. Ahmad "

آج کل کے دور میں اکثر بچے English Medium سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے اردو کے مضمون میں کمزور ہوتے ہیں اور انگریزی زبان کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ عزیزم عیسیٰ تیمور نے چند خطوط انگریزی زبان میں لکھے تو بچے کی تربیت کی خاطر آپ نے ذیل کا جواب عطا فرمایا جسکے ردِّ عمل کے طور پر عزیز نے آئندہ ہمیشہ اردو میں ہی خطوط لکھے اور حضور کے جوابات بھی اردو میں موصول ہوتے رہے۔ الحمدللہ۔

عزیزم عیسیٰ تیمور احمد کا سرمایہ حیات

" My Dear Issa Taimur
Assalamo Alaikum:
Thank you so much for your letter. your attempt at writing a letter in english at such a young age is quite good although you are weak in spellings. But if you don't know Urdu language at all then that is regrettable. You must learn Urdu. That is very Important.

Wassalam
Your sincerely
Mirza Tahir Ahmad

یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور بچوں کی خوش نصیبی کہ ان کو حضرت خلیفۃ المسیح کی شفقتوں سے وافر حصہ نصیب ہوا 1996 میں میرے بڑے بیٹے عزیزم مظفر احمد کھوکھر (بکی) اور میری بیٹی عزیزہ ام کلثوم کی شادیاں ہوئیں میرے محسن آقا نے از راہِ شفقت ان دونوں بچوں کے نکاح لندن میں MTA پر پڑھائے نیز میری بیٹی کو خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ بھی اعزاز نصیب ہوا کہ اس کا نکاح MTA کا پہلا LIVE نکاح تھا۔

الحمد للہ علیٰ ذالک۔

آپ کی ہمہ جہت شخصیت

حضرت اقدس مسیح موعود کی عاجزانہ تضرعات، جاں گداز اور دلسوز دعاؤں کو شرفِ قبولیت عطا فرماتے ہوئے اور صُحفِ پارینہ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق جس عظیم الشان ''فرزندِ ارجمند'' نے اس دنیا میں ظہور فرمایا، جس کی تعریف میں خدا نے مظہر الحق والعلیٰ فرمایا اس ہستی کے بارہ میں کچھ عرض کرنا اس نابکار کے بس کی بات نہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ نے اس عظیم باپ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور ایک ایسی ہی عظیم ماں حضرت سیدہ مریم النساء بیگم صاحبہ کے بطن سے 18 دسمبر 1928 کے دن جنم لیا۔ اس ماں کے بارہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود کی چھوٹی صاحبزادی حضرت سیدہ نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ نے ''ہماری مریم'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا۔ جو حضور نے امتہ الجمیل کو ارسال فرمایا۔ جس میں فرماتے ہیں۔ (خط محررہ 22-05-1982)

''تمہیں خط لکھنے کے بعد حضرت چھوٹی پھوپھی جان کا ایک مضمون پڑھا جو انہوں نے ''اُمی'' کے متعلق چند دن پہلے لکھوایا تھا۔ اتنا پیارا مضمون ہے کہ سخت دل چاہا تمہیں بھی بھجوادوں لہٰذا اُس کی فوٹو کاپی رکھ کر اصل تمہیں بھجوا رہا ہوں تا کہ تمہیں اندازا ہو سکے کہ وہ وجود جسے حضرت ابا جان نے ''میری مریم'' کہا وہ کیا چیز تھیں۔

مجھے پتا ہے کہ میری طرح تمہیں بھی ان سے کافی پیار ہے اس لئے تمہیں لطف آئے گا۔ اگر وہاں لجنہ کے کسی اجلاس میں پڑھ کر سنانا ہو تو میری طرف سے اجازت ہے۔''

آپ کا مرسلہ مضمون ذیل میں پیشِ خدمت ہے۔

''مریم کس کی تھی۔ میری، تمہاری، بچوں کی، جوانوں کی، بزرگوں کی۔ کوئی نہیں بتا سکتا مریم کس کی تھی.....اسکا دسترخوان امیر، غریب، ادنیٰ، اعلیٰ، سب کو دعوت دیتا۔ محبت کا مادہ حد سے زیادہ تھا۔ بعض اوقات میں الجھ پڑتی کہ اتنی محبت ہر ایک سے نہیں ہوسکتی تم بناوٹ سے کہتی ہو۔ جواب تھا۔ ''میرے سینے میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر پنہاں ہے۔''

''کس کس بات کو یاد کروں۔ لکھوں تو ایک کتاب بن جائے۔ اتنی خوبیوں کی مالک عورت کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے۔ زندہ، زندہ دل، اپنی ذات میں انجمن، اللہ تعالیٰ اُن کی روح پر رحمتیں نازل فرمائے اور اپنی ستاری اور محبت کی چادر میں لپیٹ لے۔ آمین''

آپ کی والدہ حضرت سیدہ مریم النساء بیگم صاحبہ مرحومہ حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب کی صاحبزادی تھیں جنہوں نے 1901 میں حضرت اقدس مسیح موعود کی بیعت کی تھی آپ نہایت زاہد و عابد مخلص انسان تھے۔ سیدہ اُمِ طاہر مرحومہ بہت سی خوبیوں کی مالک تھیں آپ کے ذاتی تعلقات کا دائرہ بہت وسیع تھا آپ نے لجنہ اماء اللہ کی بحیثیت جنرل سیکرٹری و صدر اپنی وفات تک خدمت کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی آپ کی ان خدمات سے بے حد خوش تھے۔ آپ کی دعاؤں کے طفیل آپ کے اکلوتے بیٹے حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کا بچپن ہی سے فطری سعادت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوگیا۔ جو دن بدن مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب آپ کے بچپن کا ایک نہایت ایمان افروز واقع سیرت اُمِ طاہر میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس بچہ کا ایک عجیب وغریب واقع میں تازیست نہ بھولوں گا۔1939ء کی بات ہے ایک دن جناب عبدالرحیم نیرؔ صاحب نے کسی بات پر خوش ہوکر کہا میاں طاہر آپ نے ایک بات نہایت اچھی کہی ہے میرا دل بہت خوش ہوا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کو کچھ انعام دوں بتلائیں آپ کو کیا چیز پسند ہے؟ تو اس بچہ نے جس کی عمر اُس وقت ساڑھے دس سال تھی برجستہ کہا ''اللہ'' نیرؔ صاحب حیران ہوکر خاموش ہوگئے ۔ میں نے کہا نیر صاحب اگر طاقت ہے تو اب میاں طاہر احمد کی پسندیدہ چیز دیجئے مگر آپ کیا دیں گے! اس چیز کیلئے تو آپ خود ان کے والد کے قدموں میں بیٹھے ہیں۔''

میرے پیارے حضور کو عظمت میراث میں عطا ہوئی۔ آپ کی پاکیزہ فطرت، بے شمار صلاحیتوں، جوانمردی اور زندگی کے ہر لمحہ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر خرچ کر دینے نے آپ کی اس عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔ اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں اور تقدیر الٰہی کی خوبصورت اور حسین آمیزش سے آپ ایک عالمگیر شخصیت بن کر تاریخ کے افق پر کچھ اس طرح چمکے کہ رہتی دُنیا تک آپ کا نام زندہ وجاوید رہے گا۔

وہ تمام اوصاف حمیدہ جو حضرت سیدہ ام طاہر میں قدرت نے ودیعت کئے تھے اس ابن مریم میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ بنی نوع انسان کے لئے محبت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر آپ کے سینہ میں موجزن تھا۔ آپ سب کے تھے۔ بچوں کے، جوانوں کے، بوڑھوں کے، غریبوں کے اور یتیموں کے اور ہر کوئی دعویدار تھا کہ حضور تو بس میرے ہیں۔ ایک موسلا دھار بارش کی جھڑی کے مشابہ آپ کی شفقت ومحبت خدا ترسی اور بندہ پروری انسانیت

کے ہر نشیب و فراز کو سیراب کرتی رہی۔ آپ کا دستر خوان بھی مہمانوں کے لئے مائدہ ابراہیمی تھا۔ جس پر ہر روز نت نئے مہمان رونق افروز ہوتے۔ دوسرے اوصافِ کریمانہ کو سر دست نظر انداز کرتے ہوئے صرف آپ کی مسیحائی پر نظر کرنے سے عیاں ہوتا ہے کہ لاکھوں نہیں کروڑوں انسانوں نے اس چشمہِ فیض سے آب حیات نوش کیا اور اُن کی اَن گنت اور لاتعداد دعائیں جو کبھی زبان سے اور کہیں زبانِ حال سے نکلتی رہیں گی حضور کے درجات کی بلندی کا باعث بنتی رہیں گی۔

آپ نے قادیان، لاہور، انگلستان اور جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کر کے ایک واقفِ زندگی کے طور پر 1958 میں ناظم ارشاد وقفِ جدید کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کا آغاز فرمایا اور منصبِ خلافت پر فائز ہونے تک یہ ذمہ داری ادا فرماتے رہے۔ علاوہ ازیں۔ نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ، صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ، صدر مجلس انصاراللہ مرکزیہ، سندھ کی زمینوں کا انتظام و انصرام، جماعتی انتظامی کمیٹیوں کے سربراہ اور تبلیغی اور تربیتی دوروں کے ساتھ ساتھ اپنے ذاتی فارم احمد نگر کی تمام تر مصروفیات آپ کی مصروف ترین زندگی کا ایک دلکش اور حسین گلدستہ ہے۔ نیز اپنے گھر میں اہل خانہ کے ساتھ نرم ترین خوش مزاج اور شفیق رویہ آپ کی سیرت مبارکہ کو مزید دل آفریں بناتا رہا۔

تبلیغ اور غیر از جماعت دوستوں کے ساتھ سوال و جواب کی مجالس تو آپ کی روح کی غذا تھی اور وطن عزیز کا شاید ہی کوئی کونہ ایسا ہو جہاں آپ نے اپنی علمی خطابت کے گُل نہ کھلائے ہوں ایک لمبا عرصہ تک آپ بسوں، ٹرینوں پر قریہ قریہ کوچہ کوچہ اپنے سید و مرشد حضرت مسیح موعود کے مشن کی تکمیل کے لئے درویشانہ انداز میں سرگرداں رہے اور ہر قدم اللہ تعالیٰ کی حفاظت، نصرت اور تائید آپ پر سایہ فگن رہی اس دوران کئی بار آپ نے موت کو سامنے کھڑے

پایا اور تائید الٰہی سے اس کے قدم اکھاڑ دیے لیکن آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔

آپ کی سیاح مزاجی پر ترس کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو گاڑی کی سہولت عطا فرمائی تو آپ نے لاکھوں میل کا سفر اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر خود گاڑی چلا کر طے کیا اور اُن اَن گنت سفروں میں بھی آپ توکل علی اللہ، ایمان اور یقین کی ایک پُر زور لہر کی مانند مشکلات اور خطرات کو پاؤں تلے روندتے شاہراہِ کامرانی پر رواں دواں رہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کی شخصیت کا ہر پہلو اپنے بامِ عروج پر دکھائی دیتا ہے اور حُسن اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ آپ کے کردار کے گوشہ گوشہ پہ جلوہ گر۔ تعلق باللہ، توکل، عبودیت، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق، حضرت مسیح موعود کے ساتھ غلامانہ تعلق، خلافت سے عشق و جانثاری اور قرآن کریم سے لگاؤ آپ کی سیرت مبارکہ کے روحانی پہلوؤں کا طرۂ امتیاز ہے۔ الغرض عاجزی، انکساری اور درویشی جیسی صفات سے مزین ہونے کے باوجود آپ زندگی کے دوسرے شعبوں میں بحیثیت ایک انسان ایک بلند پایہ منتظم، ایک بہادر اور نڈر سپاہی، ایک فتح نصیب جرنیل، باذوق شاعر اور اعلیٰ پائے کے مصنف دکھائی دیتے ہیں۔ نیز آپ کی باغ و بہار طبیعت تمام انسانی رشتوں کو خوب پہچان کر اُن کا حق ادا کرنے کے لئے ہمیشہ مستعد اور چوکس ہوتی۔ آپ ایک فرمانبردار فرزند، شفیق اور دوستانہ رویہ رکھنے والے باپ، رحمدل اور معاون شوہر، ایک ہمدرد بھائی، بے تکلف اور خیر خواہ دوست تھے۔ انسانیت کی ہمدردی اور جماعت احمدیہ سے عشق آپ کی گھٹی میں بھرا تھا۔ آپ نے زندگی میں جس شاہراہ پر قدم مارا کامیابیاں آپ کے قدموں کو سلام کرتی رہیں اور ایک باکمال شاہ سوار کی مانند آپ میدانِ حیات کے ایک کونے سے دوسرے کنارے تک فتح و ظفر کے جھنڈے گاڑتے رہے۔

آپ کے دیگر مشاغل کے ساتھ آپ کو بچپن سے ہی خط و کتابت کا بے حد شوق تھا۔ آپ کا

حلقہ احباب بے حد وسیع تھا۔ دنیا کے طول وعرض میں پھیلے احباب کے ساتھ آپ کی خط وکتابت ہوتی۔ اُن میں کچھ بزرگ ہستیاں تھیں جن میں حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب، حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر، حضرت مرزا عبدالحق صاحب، مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب قابلِ ذکر ہیں۔ آپ اپنے اِس شوق کے بارے میں اپنے ایک خط میں فرماتے ہیں۔

خط محررہ 22/5/1982

''مجھے بچپن سے ہی خطوں سے پیار ہے اور فرصت کے زمانے میں یعنی کالج کی تعلیم تک مجھے مافی الضمیر کے اظہار کا سب سے بہتر ذریعہ خط لگتے تھے اور ڈھونڈتا رہتا تھا کہ کسے خط لکھوں۔ کچھ ادبی ذوق والی گھر کی بچیاں تھیں کچھ باہر صاحبِ ذوق دوست بنا رکھے تھے کچھ چھوٹی پھوپھی جان کو تنگ کیا کرتا تھا اور وہ تنگ آنے کی بجائے اور لکھو اور لکھو کا مطالبہ کیا کرتیں۔ کچھ خط وکتابت اپنے نہایت پیارے ماموں جان کے ساتھ تھی جو بلاشبہ آکاش سے اترا ہوا ایک فرشتہ معلوم ہوتے تھے اگر میں خط لکھنے اور خط پڑھنے کا وقت تعلیم میں دیتا تو شاید ایک چھوڑ دو نوبل پرائز لے لیتا مزاج اپنا اپنا ہوتا ہے اور جنون بھی اپنا اپنا.....''

☆☆☆

خاکسار نے ابتداء میں یہ ذکر کر دیا تھا کہ حضور رحمہ اللہ نے خاکسار اور اہل خانہ کو ڈھیر سارے خطوط تحریر فرمائے اور یہ سلسلہ حضور کی رحلت تک جاری رہا۔ خاکسار کی یہ کاوش انہی خطوط پر مبنی ہے۔ اگرچہ یہ کام بہت ہی مشکل ہے کیونکہ یہ سارے خطوط خاکسار اور اسکے اہل خانہ کے نام

حضور کے ذاتی جذبات اور دلی کیفیات کے آئینہ دار ہیں لیکن جہاں جہاں حضور نے اپنے مشفقانہ جذبات کا اظہار فرمایا ہے وہاں وہاں تربیت اور دوسرے اہم پہلوؤں کو بھی مدِ نظر رکھا ہے۔ان خطوط کا یہی حصہ ہدیہ قارئین کرنا مقصودِ نظر ہے۔ان خطوط کے علاوہ ہماری اپنے آقا کے ساتھ 35 سالہ رفاقت کے دوران آپ کی قربت میں گزرا ہوا زمانہ جو پیار و محبت اور احسانات کی لازوال داستانیں سمیٹے ہوئے ہے جن میں آپ کی قربت میں دنیا کے طول و عرض میں کئے ہوئے سفروں کی خوبصورت یادیں بھی اگلے صفحات پر قلمبند کروں گا۔

☆☆☆

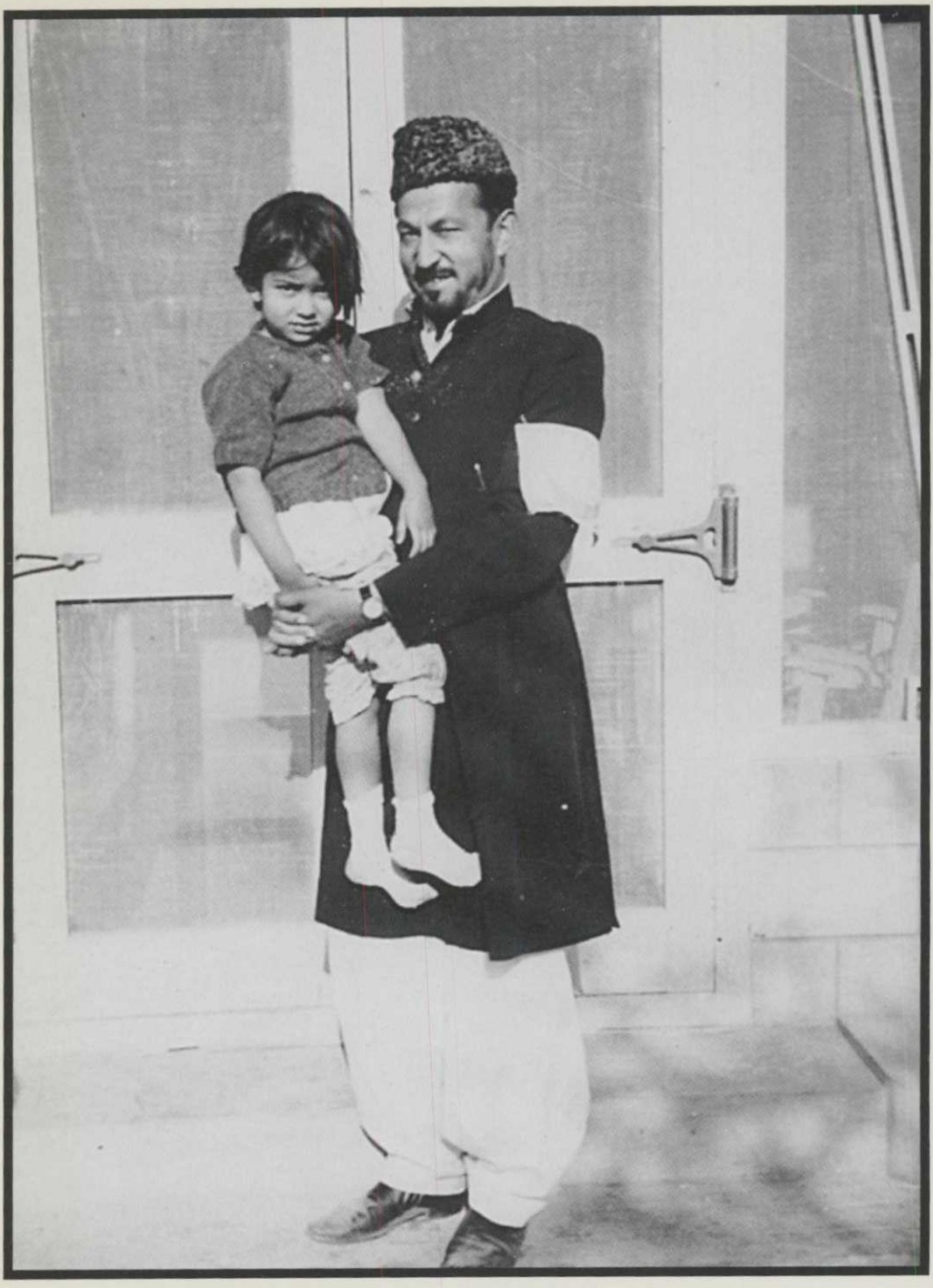

اپنی صاحبزادی شوکت جہاں کے ساتھ

خلافتِ احمدیہ کے ساتھ آپ کی عقیدت

خلافتِ ثالثہ کے انتخاب کے وقت سب سے پہلے بیعت کرنے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ساتھ آپ کا دوہرا تعلق تھا ایک سب سے بڑے بھائی جان دوسرے خلیفۃ المسیح۔ آپ نے اس دوہرے تعلق کو جس شان اور جذبے سے نبھایا اسکی مثال ملنی مشکل ہے۔ بحیثیت خلیفۃ المسیح آپ حضور رحمہ اللہ کے دستِ راست تھے۔ 1970ء کے انتخابات ہوں یا 1974ء میں اسمبلی میں کاروائی آپ نے جس جذبے اور لگن کے ساتھ ہر دو مواقع پر اپنے آقا کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے ایک فعال معاون بنتے ہوئے جو کردار ادا کیا وہ احبابِ جماعت کی کثیر تعداد کے مشاہدے میں ہے۔

آپ حضور رحمہ اللہ کے ہر حکم پر لبیک کہتے ہوئے فوری عمل کرتے کبھی اپنی مجبوری یا معذوری اُس وقت حائل نہ ہوتی۔ چھوٹے بھائی ہونے کے ناطے آپ نے حضرت بھائی جان کے ساتھ عشق کی حد تک محبت کی۔ بطور بھائی محبت کی جھلک آپ کے ایک خط محررہ 10/12/1981 میں قارئین اگلے صفحات پر ملاحظہ کرسکیں گے۔

خلافتِ ثالثہ کے ساتھ آپ کی عقیدت کے اَن گنت واقعات خاکسار کے مشاہدے میں آئے۔ جن میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے۔

سب سے پہلا مشاہدہ خود میری ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ میرا رشتہ طے کرتے وقت آپ خود مختار تھے لیکن آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح کی منظوری لینے میں ہی سعادت اور برکت سمجھی اور حضور رحمہ اللہ کی خدمت میں درخواست کی بعد ازاں حضور کی رضامندی حاصل کر کے ہمارا رشتہ طے کیا۔

آپ ملک کے کسی کونے میں بھی قیام پذیر ہوتے حضور رحمہ اللہ کا حکم ملتے ہی سب کام چھوڑ کر عازم ربوہ ہو جاتے اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر دربارِ خلافت میں حاضر ہو جاتے۔

ایک مرتبہ آپ کراچی میں مقیم تھے حضور رحمہ اللہ کا حکم ملا کہ ربوہ پہنچو آپ فوراً ائیر پورٹ روانہ ہو گئے۔ کنفرم سیٹ دستیاب نہ تھی آپ ٹکٹ خرید کر اندر لاؤنج میں تشریف لے گئے۔ نہایت پُر اعتماد طریقے سے بورڈنگ کارڈ ملنے کا انتظار کرتے رہے۔ آپ کو یقین کامل تھا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور نے بلایا ہو اور جہاز مجھے چھوڑ کر چلا جائے۔ لیکن کچھ ہی دیر میں Check In مکمل ہو گئی اور Flight Close ہو گئی لیکن آپ بدستور پُر اعتماد طریقے سے کھڑے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے معجزانہ رنگ میں آپ کی نصرت فرماتے ہوئے جہاز کی روانگی میں کچھ دیر کیلئے تاخیر کر دی۔ ائیر پورٹ کے عملہ نے آپ سے از خود پوچھا کہ آپ بھی جانا چاہتے ہیں؟ آپ کے بتانے پر انہوں نے آپ کو بورڈنگ کارڈ دے کر جہاز پر روانہ کر دیا اور آپ جلد سے جلد دربارِ خلافت میں حاضر ہو گئے۔

ہمارے کراچی کے قیام کے دوران دو مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ آپ بذریعہ کار ربوہ سے تشریف لائے ہوئے ہوتے تھے حضور رحمہ اللہ کے طلب فرمانے پر کار خاکسار کے سپرد کر کے خود بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو جاتے۔

ایک مرتبہ حضور کراچی سے بذریعہ کار ربوہ واپس تشریف لائے۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے ابھی سامان اتار کر اندر جانے لگے تو ایک آدمی نے آ کر کہا میاں صاحب آپ کو حضور نے یاد فرمایا ہے۔ سامان وہیں رکھ دیا اور الٹے پیر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضور رحمہ اللہ کے علم میں نہ تھا کہ آپ ابھی ابھی کراچی سے واپس آ رہے ہیں لہٰذا حضور

نے اسلام آباد کے کچھ کام بتائے اور فرمایا کہ صبح روانہ ہو جانا۔ گھر پہنچ کر دل میں نہ جانے کیا خیال آیا کہ صبح جانے سے شاید تاخیر ہو جائے یا سفر کی تھکان کے باعث کوئی سستی آن لے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ابھی چلا جاؤں۔ چنانچہ اُسی وقت بیگ تیار کیا اور گھر والوں کو بتایا کہ میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔ اور دوبارہ سفر پر روانہ ہو گئے اور حضور کی خدمت میں یہ بھی عرض نہیں کیا کہ ابھی ابھی کراچی سے By Road آ رہا ہوں۔

1980ء میں آپ امریکہ اور کینیڈا کے دورے پر تشریف لے گئے ہر دو ممالک کے کونے کونے کا سفر کر کے ساری جماعتوں کے دورے کئے۔ کسی ایک جماعت کے دورے کے دوران ایک تکلیف دہ واقع آپ کے علم میں آیا جسکی وجہ سے وہاں کے تین عہدیداران کے خلاف تعزیری کاروائی ہوئی تھی۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو معاملے کی تہہ تک پہنچنے کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہوا تھا۔ آپ کی تحقیق کے مطابق وہ عہدیدار بے قصور تھے۔ ربوہ واپس تشریف لانے کے بعد حضور کی خدمت میں صحیح صورتِ حال بیان کرنے کیلئے کوشاں تھے۔ مناسب حال موقع ملتے ہی حضور کی خدمت میں صحیح صورت حال بیان فرمائی۔ حضور رحمہ اللہ جہاں آپ کے آقا تھے وہاں بھائی جان بھی تھے لہٰذا آپ سے رپورٹ سن کر کچھ ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر آپ بے حد فکر مند ہوئے اور دعائیں شروع کر دیں۔ چند یوم کے اندر ہی آپ کو حضور نے طلب فرمایا اور نہایت شفقت بھرے انداز میں فرمایا۔ ''طاہر جو تم نے رپورٹ دی تھی وہ صحیح تھی ان عہدیداران کو معاف کر دیا گیا ہے۔''

حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی وفات کے معاً بعد آپ کو خاکسار اور امتہ الجمیل نے تعزیت نامے ارسال کئے جنکے جواب میں اپنے خط محررہ 10/12/1981 میں فرماتے ہیں۔

''حضرت بھابھی جان کے وصال پر تمھارا ہمدردی کا خط اور مبارک کا تعزیت کا تار تقریباً اکٹھے ہی موصول ہوئے.....

حضرت بھابھی جان کے وصال پر حضرت بھائی جان نے حیرت انگیز صبر اور برداشت کا حوصلہ دکھایا ہے۔ اسے دیکھ کر رونا بھی آتا ہے اور خوف بھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر کا اتنا بڑا حوصلہ عطا فرمایا ہے تو جسم کو بھی طاقت بخشے کہ روح کا ساتھ دے سکے۔ میں تو بڑے فکر اور درد کے ساتھ دعا کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس غیر معمولی ضبطِ غم کے بداثرات سے کلیۃً محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ آپ کا مونس اور معین رہے۔ لمبی صحت و عافیت والی خوشیوں سے معمور فعال زندگی عطا فرمائے اور ہمیشہ آپ کا رفیق رہے۔ وصال کے وقت اگر حضرت صاحب غیر معمولی عزم اور فراست کا ثبوت نہ دیتے تو گھر میں کہرام مچ جاتا۔ خود ہی سب کو تسلی دی اور کسی کو اونچی آواز میں رونے نہیں دیا۔ سب گھر والوں کو بڑے سکون سے کمرے میں بٹھا کر تشفی آمیز باتیں کرتے رہے یہ ایک ایسا پُر اثر حیرت انگیز نظارہ تھا کہ کبھی دل سے محو نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ یہ غم آپ کی مسکراہٹ کو چھین نہیں سکا۔ لیکن آنکھیں ایسے گہرے غم میں ڈوب چکی ہیں کہ دیکھی نہیں جاتیں آجکل خصوصیت کیساتھ حضرت بھائی جان کیلئے بہت دعائیں کیا کرو۔ مبارک کو بلکہ بگی اور اوما کو بھی کہو.....اچھا جی خدا حافظ۔ دعا کیا کرو۔ میرا دل بڑا ہی اداس ہے اتنا کہ بتا نہیں سکتا.....

والسلام

مرزا طاہر احمد''

آپ نے مسندِ خلافت پر بیٹھنے سے اکیس روز قبل یعنی 20 مئی 1982ء کی رات خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کو دعوت پر مدعو کیا تھا۔ اِس بابرکت دعوت کی روئیداد پڑھ کر آپ کی خلافت کے ساتھ محبت اور وابستگی کے معیار پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں

خط محررہ 21/05/1982

''.....کل بڑا اداس دن تھا لیکن کام کے ہنگاموں نے ایسے آن دبوچا کہ کوئی اور ہوش نہ رہی۔ ایک تو کل رات ہم نے حضرت اقدس کی دعوت کی ہوئی تھی۔ کوئی تیس چالیس مہمان بلائے ہوئے تھے دوسرے کل جمعرات کا دن غیر احمدی قافلوں کے آنے کا دن تھا۔ اور دیگر احمدی مہمان بھی بکثرت اس دن آتے ہیں۔ بعض ضروری خط لکھنے تھے زبردستی دروازہ بند کر کے جلدی جلدی خطوں سے فارغ ہوا تو انسانوں کے ریلے میں پکڑا گیا۔ کھانے سے پہلے انفرادی ملاقاتیں اور کھانے کے بعد ساڑھے تین بجے سے ساڑھے سات بجے تک دو تین مجالسِ مذاکرہ

کھانے اور ساڑھے تین بجے کے درمیان بمشکل مارا مار حضرت صاحب کیلئے شہد گھول کر آئس کریم بنائی.....گھر خوب سجایا۔ پھولوں سے گلدان بھر دیئے۔ ساری بتیاں جلائیں۔ مارا مار میں نے بیٹھنے والے کمرے میں اے۔سی (AC) فٹ کروایا اور چلا کر دروازے بند کر دیئے۔.....اِن مجلسوں سے روحانی لذت پا کر تازہ دم ہو کر نمازِ مغرب کے بعد گھر پہنچا پھر دوڑ بھاگ کر کے کہیں پھل لینے گیا۔ کہیں منان کی آئس کریم۔ کہیں بادام توڑ کر حضور کی آئس کریم پر ڈالنے کیلئے شہد میں بھگوئے۔ (کھانے میں مرچ زیادہ ہونیکی وجہ سے حضور کھانا صحیح طور پر نہ کھا سکے جسکی وجہ سے حضرت میاں صاحب بیحد پریشان ہوئے۔ ناقل) بعد میں ڈرتے ڈرتے آئس کریم نکالی۔ ذرا میرا اندازہ کرو کیا حال ہوا ہوگا۔ جب پہلا چمچہ

حضور نے احتیاط کیساتھ منہ میں ڈالا اور پھر جو حضور کے چہرے پر مزا ظاہر ہوا اور پیالی بھر کر آئس کریم لی تو میرا سارا وجود مزے سے بھر گیا۔.....پھر تو میز پر ہر ایک نے وہی آئس کریم کھائی۔رات دیر تک مجلس لگی تقریباً 12 بجے تک حضور بیٹھے رہے۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ علالت کے باعث بغرضِ علاج اسلام آباد تشریف لے گئے تو آپ بھی ساتھ ہی تشریف لے گئے۔ بے حد فکر مند اور بے چین رہے۔ان دنوں آپ یورپ اور امریکہ کے سفر کی تیاری کر رہے تھے پروگرام بیت الذکر سپین کے افتتاح کے ساتھ منسلک تھا۔اس دورہ میں آپ ہم کو بھی ساتھ لے کر جانا چاہتے تھے۔

نئی صورتِ حال کے پیشِ نظر آپ نے فوراً یہ پروگرام منسوخ کر دیا اور فرمایا کہ آئندہ پروگرام حضور رحمہ اللہ کی صحت یابی تک ہی بن سکے گا۔

☆☆☆

حضور کی بھرپور مصروفیات اور جماعتی دورے

میرے پیارے آقا کی زندگی کا ہر لمحہ خدمتِ دین اور خدمتِ خلق کیلئے وقف تھا۔ آپ نے اپنی ذات کی کلیۃً نفی کر دی تھی۔ اِس عاجز کو آپ کے ہاں قیام کرنے اور آپ کے ساتھ بے شمار سفروں میں آپ کی رفاقت نصیب ہوتی رہی اور عینی شاہد ہونے کے ناطے کچھ واقعات قلمبند کر رہا ہوں نیز آپ کے خطوط کے کچھ اقتباسات بھی درج ذیل ہیں جن کو پڑھ کر ایک قاری بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ نے جماعتی امور کی ادائیگی میں اپنی بیماری یا پھر کسی نجی مصروفیات کو کبھی حائل نہ ہونے دیا اور کس جانفشانی سے آپ اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

ایک مرتبہ آپ میرے ہاں کراچی میں مقیم تھے۔ آپ نے ناصر آباد سندھ کا دورہ کرنا تھا ان دنوں آپ بخار میں مبتلا تھے آپ کا بخار آپ کے طے شدہ پروگرام میں حائل نہ ہو سکا لہٰذا آپ خود جیپ چلاتے ہوئے ایک طویل سفر کر کے ناصر آباد گئے اور تیسرے دن بخار میں ہی واپس تشریف لائے۔

1972ء میں آپ کو کراچی/سندھ کے دورے پر جانا تھا آپ کو اپنڈیکس کی درد شروع تھی کسی سے اپنی تکلیف کا اظہار نہ کیا اپنی کار چلاتے ہوئے اپنی ادویات کا استعمال کرتے آپ نے یہ طویل سفر طے کیا اس واقع کی تفصیل آئندہ صفحات پر مفصل حالات کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

آپ کو اپنی طویل مصروفیات کی وجہ سے آرام کرنے اور مناسب وقت کیلئے سونے کا موقع بھی میسر نہ ہوتا۔ باوجود غیر معمولی قوت برداشت ہونے کے آپ کو گاہے بگاہے بخار

ہو جایا کرتا۔ لیکن کسی کو آپ کی ناسازیِ طبع کی خبر نہ ہوتی۔ بخار کے ساتھ ہی سفر کرتے، سوال و جواب کی محافل میں شرکت فرماتے، تقاریر کرتے، ملاقاتیں کرتے اور مریض بھی دیکھتے۔

1991ء میں آپ نے صد سالہ جشن تشکر کے سلسلہ میں جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان کا تاریخی دورہ فرمایا اس بابرکت جلسہ سالانہ میں شرکت کی غرض سے جہاں دنیا کے طول و عرض سے احباب جماعت قادیان پہنچے وہاں کئی روز کی مسافت طے کر کے عاشقانِ خلافت ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے بھی آئے۔ ان میں ایک کثیر تعداد ایسے احباب کی بھی تھی جن کو پہلی مرتبہ خلیفۃ المسیح کی زیارت نصیب ہو رہی تھی موسم کی شدت اور طویل مصروفیات کی وجہ سے آپ کی طبیعت بہت ناساز تھی کئی روز تک بخار میں مبتلا رہے مگر آپ کی بیماری آپ کے روزانہ کے پروگراموں میں کوئی رکاوٹ نہ ڈال سکی۔

آپ بعد نمازِ فجر بہشتی مقبرہ تشریف لے جاتے اور وہاں سے تیز رفتاری کے ساتھ پیدل چلتے ہوئے قادیان کے قرب و جوار میں ہندوستان سے آئے ہوئے احباب کی رہائش گاہوں کا دورہ فرماتے اور انتظامات کا جائزہ لیتے۔ آپ جب غیر متوقع طور پر کسی ایک رہائش گاہ پر پہنچتے تو وہاں کے مقیم احباب کی خوشی اور جذبات قابلِ دید ہوتے۔

ذیل میں آپ کے خطوط کے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں ان خطوط میں جن واقعات اور مصروفیات کا آپ نے ذکر فرمایا ہے وہ آپ کی ہمارے ساتھ بے تکلفی کے مظہر بھی ہیں۔

خط محررہ 7 نبوت 1347 - 1968

" تم نے یہ جو لکھا ہے کہ ہم ایک ہفتہ کیلئے پنڈی آجائیں تو اس پر بے اختیار منہ

سے نکل گیا " چل جھوٹی " کس چیز پر آجائیں۔ ہوا کے گھوڑوں پر۔ ہوائی قلعوں میں بیٹھنے کیلئے۔ اور کام جو بے شمار یہاں پڑا ہوا ہے وہ تم دونوں آکر کرو گے؟ صدر (خدام الاحمدیہ مرکزیہ) بننے پر اظہارِ ہمدردی تو کیا نہیں گیا۔ اب خدام الاحمدیہ کا کام کہیں نکلنے نہیں دے رہا تو لگی دعوتیں دینے کہ ہم ایک ہفتہ پنڈی کی شدید سردی میں لحاف میں بیٹھ کر کھانے کیلئے آجائیں صرف شرارت ہے اور کوئی بات نہیں .....اتنی ہوش نہیں کہ " انشا " اس قسم کی چھیڑ چھاڑ کو سخت ناپسند فرمایا کرتے تھے اور ایسے شرارتی لوگوں کو صاف کہہ دیتے تھے۔

نہ چھیڑ اے نگہتِ باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

دل کس کا نہیں چاہتا ہفتہ بھر کے لئے سیر و تفریح کیلئے نکلنے کو لیکن محض دل چاہنے سے کبھی کچھ حاصل ہوا ہے؟ ..... اس لئے سوال یہ نہیں کہ دل ہمارا چاہتا ہے یا نہیں سوال صرف یہ ہے کیوں ہم دل بے چارے کو خواہ مخواہ کی چاہتیں دے دے کر تنگ کریں کوئی مفت کو تو نہیں آیا ہوا۔ "

خط محررہ 15/12/1969

" خط نہ لکھنے پر تم اپنے ماموں جانی کی شاکی تو ہو لیکن کبھی جھانک کر مصروفیات بھی تو دیکھی ہوتیں۔ رمضان المبارک، جلسہ کا قرب، فصل چاول کی سنبھال اور فصل گندم کی بوائی (جو ابھی تک جاری ہے)۔ اس پر گھر کی توڑ پھوڑ۔ خرچ کا بے حساب ہونا پھر کبھی ٹریکٹر کی خرابی۔ کبھی ٹیوب ویل کا جلنا کوئی ایک بات ہو تو ہوش بھی آئے۔"

خط محررہ 18/03/1980

''میں کچھ دن فلو میں پکڑا گیا چند دن تو کافی کشتی ہوتی رہی لیکن رات اس نے قلابازی دے دی۔ لیکن صبح تک خدا کے فضل سے میں پھر اسکے چنگل سے آزاد ہو چکا تھا۔ اس وقت طبیعت بہت بہتر ہے اور احساس ہے کہ اب اس چکر سے نکل جاؤں گا۔ دفتر روزانہ آتا ہوں دفتر کا کام نہیں چھوڑتا۔''

خط محررہ 25/07/1980

''کل چاندنی رات تھی موسم بھی خوشگوار تھا سیر کیلئے باہر نکلا خیال آیا کیوں نہ دفتر جا کر رُکے ہوئے کام نکال آؤں ..... لیکن اندازہ کرو میری جھنجھلاہٹ کا کہ ابھی جا کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک صاحب تشریف لائے کہ گھر سے ہو کر آرہے ہیں خیر انکو فارغ کیا ہی تھا کہ ایک اور صاحب نے آکر پوری قوت سے السلام علیکم کا تحفہ دے مارا۔ زور دار سلام والے اکثر وقت بھی زیادہ لیتے ہیں نہ جانے ان کے جی میں کیا آئی کہ رخصت ہو گئے۔ قلم اٹھایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ارشاد ہوا آخر تمھیں ڈھونڈ ہی لیا فرمایا ابھی آجاؤں یا..... میں نے کہا ابھی ابھی پیشتر اسکے کہ کوئی اور آجائے۔''

خط محررہ 23/03/1981

''پرسوں رات اچانک میری شوکی (شوکت جہاں) اور سیفی میاں (داماد) آدھمکے ہمارے گھر میں شور پڑ گیا۔ لیکن مجھے دوسرے دن سمبڑیال اجلاس کیلئے جانا تھا اس لئے زیادہ وقت اکٹھے نہ بیٹھ سکے۔ کل رات واپس آیا تو وہ جا چکے تھے۔ آج کل گرمی بھی

زوروں پر ہے اور جلسے بھی اور پتہ نہیں کیا فیشن چلا ہے کہ بجلی ہو تو بھی محراب میں پنکھا نہیں لگاتے اور محراب کی چھت کو بھی اوپر سے ایسا چپکا دیتے ہیں کہ پانچ فٹ دس انچ سے اونچے قد کا امام کھڑا نہیں ہوسکتا گرمیوں میں یہ تنگ محراب وہ بہار دکھاتی ہے کہ الامان والحفیظ۔ اگر امام صاحب نے اوپر سے اچکن بھی پہن رکھی ہو تو ذرا اندازہ لگاؤ کہ کیا حال ہوتا ہوگا۔

کرتو ضلع شیخوپورہ اس سے پہلے جمعہ کرتو میں تھا۔ جو فیض احمد فیض کا گاؤں ہے۔ ہر ایسے مقام پر غیر از جماعت دوستوں کے ساتھ سوال و جواب کی مجلس بھی ضرور لگتی ہے۔ کرتو میں بھی تھی اور کل سمبڑیال میں بھی تھی۔ کل تو تقریباً اڑھائی صد غیر احمدی شرکاء آئے ہوئے تھے اجلاس کیا تھا پورا جلسہ بنا ہوا تھا۔ پتہ نہیں بکی (مظفر احمد۔ میرا بیٹا) کی کیا ادا مجھے پسند آئی کہ ایسے موقعوں پر وہ مجھے بے حد یاد آتا ہے کل بھی بہت یاد آیا۔ لیکن کرتو میں بکی سے زیادہ فیض احمد فیض یاد آیا کیونکہ یہ اس کا گاؤں تھا۔ کرتو نے بھی کیا خوب شاعر پیدا کیا ہے حد ہی کر دی۔

واپسی پر چوہدری انور حسین صاحب (امیر ضلع شیخوپورہ) بھی ساتھ تھے اور ایک نو مبائع احمدی غلام سرور صاحب بھی تھے۔ جن کی آواز بڑی سریلی اور پُرسوز ہے۔ فیض کی یاد میں انہیں فیض کی نظمیں سنانے کیلئے کہا تو پتہ چلا کی صرف تین شعر یاد ہیں۔ کرتو سے شیخوپورہ تک سارا رستہ یہی تین شعر سنتے رہے اور پھر بھی دل نہ اکتایا مسلسل سر دھنتے رہے۔"

گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے
قفس اداس ہے صبا سے کچھ تو کہو
کہیں تو بہرِ خدا آج ذکر یار چلے
جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شبِ ہجراں
ہمارے اشک تیری عاقبت سنوار چلے

خط محررہ 03/06/1981

" پچھلے جمعہ ضلع سیالکوٹ کے پرلے کونے میں رائے پور میں ہمارا پروگرام تھا۔ پروگرام تو خدا کے فضل سے بہت کامیاب رہا۔ لیکن واپسی گذشتہ جلسے سے واپسی کے مقابل پر کافی اعصاب شکن ثابت ہوئی۔

شام کو اچانک موسم بدل کر سخت مزیدار ہوا چلنے لگی تھی اور بادل آ گئے تھے۔ لہٰذا واپسی پر شرکاء کا مزاج شعروادب کی طرف مائل ہو گیا اور ایک صاحب کے متعلق پہلے تو یہ بتایا گیا کہ ہیر بہت اچھی پڑھتے ہیں اور پھر یہ غالب اور دیگر اساتذہ کا کلام بھی۔ میں قسمت کا مارا شعروادب کا متوالا ان چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا اور نظم خوانی کی اجازت دے بیٹھا۔

ہیر تو خیر جتنی پڑھی اچھی پڑھی اور آواز اور ہیر کے مضمون میں کافی مناسبت تھی۔ لیکن بعد از ہیر جو کاروائی ہوئی اس نے میرے اعصاب کے پرخچے اڑا دیئے۔ پہلے بہادر شاہ ظفر معزول شدہ جلاوطن مظلوم بادشاہ کی شامت آئی اور ہیر کی طرز پر اس کی غزلوں کا جنازہ خراب کیا گیا۔ پھر جو شامت آئی میرے محبوب شاعر غالب کی تو میں بتا نہیں سکتا جو میرے دل کی کیفیت تھی اعصاب کھنچتے کھنچتے تناتن ٹوٹنے لگے اور ٹوٹ

ٹوٹ کر بکھرنے لگے۔اور اعصاب کی کرچیوں نے چبھ چبھ کرتن بدن میں آگ لگادی۔

خط محررہ 29/06/1981

'' آج اتنی شدید گرمی تھی بلکہ ہے کہ بتا نہیں سکتا۔اوپر سے بجلی کا بار بار بند ہونا مریضوں کا ایسا تانتا کہ ختم ہونے میں نہ آتا۔ڈاک کا انبار اور مزید براں غیر از جماعت زائرین کے وفد کی آمد۔میں خدا کے فضل سے یونہی تھکنے والا آدمی نہیں ہوں لیکن آج دو دفعہ سر ایسا بھنایا کہ چکرا کر کرسی کا بازو تھامنا پڑا۔ابھی بھی ملاقاتیوں کا حال یہ ہے کہ سلسلہ ٹوٹ ہی نہیں رہا۔''

خط محررہ 22/08/1981

'' خالی کام سے تو میں تھکا نہیں کرتا مگر اس گرمی نے مارا ہے اور اتنا مارا ہے کہ اب کبھی طبیعت یہاں سے بھاگ کر کہیں روپوش ہونے کو چاہتی ہے۔دل چاہتا ہے بس دو ہفتے غائب ہو جاؤں۔لیکن یہ جنت اِس دنیا میں میرے نصیب میں نظر نہیں آتی۔''

خط محررہ 26/09/1981 از جہلم صاحبزادی شوکت جہاں کے ہاں قیام کے دوران

''.....رات ایک بجے پنڈی سے واپس آیا،رات دو اڑھائی بجے باتوں سے فارغ ہوا.....اس وقت (دن کے) بارہ بج رہے ہیں میں بیٹھا بچا ہوا کام نکال رہا ہوں بہت سے خطوط جن کا وہاں جواب دینے کا وقت نہ مل سکا ساتھ ہی لے آیا تھا سنجیدہ خط لکھ لکھ کر سوچا کہ دو چار منٹ آرام کر لوں اس لیے تمھیں خط لکھنا شروع کر دیا.....کل پنڈی

میں اس قدر مصروفیت رہی .....رات کا کھانا میجر مقبول شاہ صاحب کے ہاں تھا کافی تکلف کیا ہوا تھا اور کافی مہمان بلائے ہوئے تھے آج دوپہر سے رات تک منگلا میں دو فنکشن ہوں گے کل جہلم میں پروگرام ہے اس کے بعد سیدھا رات کو ربوہ جا کر دم لوں گا زیادہ دیر باہر رہنے سے دل اداس ہو جاتا ہے.....دل چاہتا ہے فوراً واپس چلا جاؤں۔.....''

خط محررہ 3-10-1981

''..... کل رات گجرانوالہ میں سوال و جواب کی مجلس کچھ زیادہ ہی لمبی ہوگئی رات ڈیڑھ بجے گھر پہنچا.....

دوروں کے علاوہ بھی یہاں زندگی آج کل شدید مصروف ہے سخت کمزور آدمی ہوں دعا کیا کرو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ذمہ داریاں نبھانے کی توفیق بخشے۔کبھی کبھی دل گھبراتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ پہاڑ کی کسی کھوہ میں جا کر بیٹھ جاؤں۔اس دفعہ جہلم، اسلام آباد، منگلا کا سفر بھی بڑی مصروفیت کا گزرا۔لیکن دن کا پہلا حصہ سیفی (داماد) کے مکان میں خاموش اور اُداس سوچوں میں ڈوبا ہوا اکیلے بیٹھ کر جو چند لمحے گزرتے تھے وہ بڑے پرسکون ہوتے تھے باقی دن کے ہنگاموں کیلئے اعصاب کو توانائی بخش جاتے تھے۔

خط لکھنے کا قصہ یہ ہے کہ کچھ تو بچپن سے مجھے عادت ہے خط لکھ کر تسکین ملتی ہے دل کے دباؤ ذرا ہلکے ہو جاتے ہیں۔بہت کم لوگ ہیں جن کو ایسے خط لکھ سکوں۔امید ہے تم میرے لمبے خطوط سے تنگ نہیں آؤ گی۔یہی سمجھو کہ یہ میرا علاج ہے اور کام کے دباؤ سے

کچھ دیر کیلئے بچنے کی ایک پناہ گاہ سی ہے.....

تمہیں ایک بات بتاؤں آج تمہارے لئے خوشحالی اور بابرکت رزق کی فراوانی کیلئے اتنے درد کے ساتھ دل سے دعا اٹھی کہ آنکھوں تک پہنچتے اس دعا کا غبار آنسو بن گیا۔اس وقت اچانک دل میں ایک جُھرجُھری آئی اور مجھے یقین ہوگیا کہ میری یہ دعا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے پاؤں چوم چکی ہے۔نامراد نہیں رہے گی کچھ دن انتظار کرو۔

خط محررہ 3-11-1981

''تمہارا خیال ہوگا کہ خدام الاحمدیہ کے اجتماع کے فوراً بعد خوب سونے کا موقع ملا ہوگا۔لیکن اگلے ہی جمعہ چونکہ انصار اللہ کا اجتماع ہونا تھا اس لئے اتنی مصروفیت بڑھ گئی کہ نیند تو نیند ہوش اُڑنے کو تھے۔الحمدُ للہ - الحمدُ للہ کہ اجتماع بڑی خیر وخوبی سے اختتام پذیر ہوا۔غیر معمولی رونق اور غیر معمولی برکت تھی۔بڑا ہی پُر لطف روحانی ماحول تھا۔سب آنے والے خوش وخرم اور مطمئن سیراب ہوکر لوٹے۔اس کے بعد دو دن اپنے اپنے متفرق کاموں کیلئے ٹھہر جانے والوں کے باعث بڑی مصروفیت رہی۔کل رات کو کچھ فراغت کا احساس ہوا لیٹ کر پڑھنے کی کوشش کی مگر کتاب سے زیادہ آنکھیں بوجھل ہوئی جاتی تھیں۔بمشکل چٹکیاں کاٹ کاٹ کر دس بجے تک مطالعہ کرسکا پھر جو سویا صبح چار بجے تک آنکھ نہ کھلی صبح نماز کے بعد آدھ گھنٹہ کے لئے پھر سوگیا۔اب یوں لگ رہا ہے جیسے صدیوں کی نیند کے بعد اٹھا ہوں۔''

خط محررہ 14/01/1982

'' جلسہ کے بعد ابھی تک کاموں سے فرصت نہیں ملی ایک ایسا Q سا لگا رہتا ہے جسکا دوسرا سرا نظر سے اوجھل رہتا ہے ..... یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ کچھ نہ کچھ ان کاموں سے نپٹنے کی توفیق مل ہی جاتی ہے ورنہ میرے جیسے کمزور اور بے کار..... کیلئے بوجھ اٹھانا ہرگز ممکن نہ ہوتا۔ میں تو یہی دعا کرتا رہتا ہوں کہ اے خدا ایسا بوجھ نہ مجھ پر پڑنے دے جو مجھے توڑ کر رکھ دے۔ پس خدا تعالیٰ محض اپنے فضل سے میرے بوجھوں کے وزن ہلکے کر دیتا ہے اور میری ہمت کی طاقت بڑھا دیتا ہے۔''

خط محررہ 20/1/1982

'' میں خدا کے فضل سے ٹھیک ہوں اور جہاں تک بس چلتا ہے نبھائے چلا جاتا ہوں۔ جلسہ کا غیر معمولی بوجھ تو اتر گیا لیکن روزمرہ کا دستور کم وبیش اسی طرح چل رہا ہے میری زندگی کے سب سے مزیدار لمحات وہ ہوتے ہیں جب کچھ دیر پہلے نیند سے کچھ پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ گیارہ بجے بی بی سی چلا دیتا ہوں وقت بچانے کیلئے بیک وقت سنتا بھی ہوں اور پڑھتا بھی ہوں جب کوئی دلچسپ خبر کان پڑے تو توجہ اس طرف پھیر دیتا ہوں ورنہ عموماً پڑھنے کی طرف دھیان زیادہ رہتا ہے۔ رات تقریباً 12 بجے سو جاتا ہوں۔ (اڑھائی/تین بجے تہجد کیلئے اُٹھ جایا کرتے تھے۔ ناقل) پھر دوسرا دن وہی پہلا سا کام جب سمجھتا ہوں ختم ہو گئے تو غیر متوقع کام۔ ملاقاتی جب سمجھوں بس ہو گئے تو غیر متوقع ملاقاتی اور غیر متوقع مہمان۔

وقت لے کر آنے والے ملاقاتی اور مہمان تو تم جانتی ہو کہ ہزار میں سے ایک بھی مشکل ہونگے ۔کل جو مہمان آئے وہ ہزاروں میں سے ایک والے ہی تھے..... ان کے ساتھ چند گھنٹے بہت اچھا وقت گزرا۔حمیدہ (خادمہ) نے میری ہدایت کے مطابق کھانا بھی اچھا سلیقے سے تیار کر رکھا تھا۔کوئی شرمندگی نہیں اُٹھانی پڑی۔انہوں نے حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب کا پیغام دیا کہ آ کر مل جاؤ لیکن پیغام شعروں میں تھا اور وہ بھی فارسی کے..... وہ شعر اتنے پیارے اور دردناک ہیں کہ لکھے بغیر رہا بھی نہیں جا رہا۔ترجمہ کسی سے پوچھ لینا اور حضرت چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کی درازی عمر کیلئے دعا کرنا۔

☆☆☆

فارسی اشعار

خبرم رسیدہ امشب کہ نگار خواہی آمد — سرِ من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود بکف نہادہ — بامید آن کہ روزی شکار خواہی آمد

کشتے کہ عشق دارد نہ گذاردت بدیساں — بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم — پس ازآں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

بیک آمدن برودت دل و جانِ میر خسرو — چہ شود اگر بدیساں دو سہ بار خواہی آمد

ترجمہ:

آج رات مجھے خبر ملی ہے کہ محبوب آئیگا جس راہ سے وہ آئیگا اس راستے پر میرا سر قربان ہو
صحرا کے تمام ہرن اپنے سر ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہیں اس امید پر کہ ایک دن شکاری آئیگا
مقتول عاشق ہرگز تجھے تیرے حال پر نہیں چھوڑے گا اگر تو جنازے پر نہ آیا تو مزار پر ضرور آئیگا
میں جان بہ لب ہوں تو آ، تاکہ میں زندہ رہ سکوں پس جب میں نہ رہا تو پھر تو کس کے لئے آئے گا
تیری ایک بار آمد سے ہی میر خسرو کا دل تسکین پا گیا اگر تو اسی طرح دو تین بار آئیگا پھر کیا ہوگا؟

حضرت چوہدری صاحب کی لمبی صحت و عافیت والی خوشیوں سے معمور کارآمد زندگی کیلئے دعا کرنا۔

والسلام

مرزا طاہر احمد"

خط محررہ 20-2-1982

" میری کل جمعہ کی چھٹی بھی ملاقاتیوں کی نظر ہوگئی تھی۔ آج گو ہفتہ کا دن ہے مگر یہاں چھٹی تھی خیال تھا دفتر جا کر آج ساری ڈاک نکال دونگا۔ لیکن بمشکل دو صفحات لکھے تھے کہ ملاقاتیوں اور مریضوں کا تانتا بندھ گیا بیس پچیس خط تو درکنار ایک خط بھی نہ لکھا گیا وہیں دو بج گئے اٹھنے لگا تھا کہ ایک دوست اپنے غیر احمدی نوجوان دوست کو لے کر آ گئے پونے تین بجے ایک ناروے سے آنے والے دوست آ گئے ان کو لیکر گھر آ گیا کھانے سے فارغ ہو کر عصر کا وقت ہو گیا نماز کے بعد خط لکھنے لگا تو پتہ چلا کہ کینیڈا سے چوہدری رحمت علی صاحب اور انکی بیگم صاحبہ اور خلیفہ عبدالعزیز صاحب آئے ہوئے ہیں ان کو وقت دیا کہ چالیس منٹ تک تشریف لے آئیں ان کے آنے میں صرف دو چار منٹ باقی ہیں دو چار سطریں اور لکھ سکوں گا باقی رات کو....."

خط محررہ 3 اپریل 1982 از لاہور

" کل صبح ربوہ سے نارووال کیلئے روانہ ہوا۔ شاہ صاحب (ڈرائیور انصار اللہ) کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس لئے تنہائی میں چار گھنٹے کا سفر مزے میں کٹا۔ نارووال میں چند گھنٹے سخت محنت کے صرف ہوئے جمعہ کیلئے بکثرت احبابِ جماعت دور دراز سے آئے ہوئے تھے۔ ملاقات کے ساتھ ساتھ مریضوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ جو جمعہ کے بعد بھی جاری رہا۔ چار بجے مجلس سوال و جواب شروع ہوئی ..... پرسوں ربوہ میں بھی مجلس لگی تھی..... پس مجالس سوال و جواب ہر دفعہ اتنی آسان نہیں ہوتیں بعض اوقات خبیث فطرت شرارتیوں سے بھی پالا پڑتا ہے۔

کل رات واپسی پر بہت سے لوگ ہمسفر ہو گئے اور تنہائی کے مزے لوٹنے کی بجائے تنہائی کی حسرت کے مزے لوٹنے لگا۔ چاندنی رات تھی موسم بڑا خوشگوار تھا علاقہ سرسبز تھا۔ دل چاہتا تھا کہ میں اکیلا تصورات میں ڈوب کر اپنے من کی مجلس لگاؤں..... ابھی کچھ دیر تک کھانا کھا کر گھنٹہ بھر آرام کرنے کا پروگرام ہے کیونکہ ابھی تک سر درد ہو رہی ہے اور آج پانچ بجے شیخوپورہ بھی ایک مجلس سوال و جواب میں حاضر ہونا ہے وہاں سے فارغ ہو کر سیدھا ربوہ چلا جاؤنگا انشاءاللہ "

خط محررہ 08/04/1982

" شیخوپورہ کا پروگرام خدا کے فضل سے نہایت دلچسپ اور کامیاب رہا۔ پہلی مجلس میں تقریباً تین صد آدمی تھے دوسری مجلس میں شرفاءِ شہر جن میں اکثر وکلاء تھے رات ساڑھے نو بجے فارغ ہوا دس بجے ربوہ کیلئے روانہ ہوا۔"

خط محررہ 14/04/1982

''یہ خط تمھیں انصار اللہ کے گیسٹ ہاؤس سے لکھ رہا ہوں جہاں آج صبح 11 بجے سے روپوش ہوں۔ باوجود چھٹی کے محض سابقہ کام نکالنے کیلئے دفتر آیا تھا لیکن مریضوں اور ملنے والوں کا اتنا ہجوم ہوگیا کہ میرے اوسان خطا ہونے والے ہوگئے۔ میں جو تنہائی کو ترس رہا تھا اس ہنگامے میں ایک بے بس کی طرح..... بعض دفع چھاتی پر اتنا بوجھ اور تناؤ محسوس ہونے لگتا تھا کہ ہاتھ سے دل کے مقام کو سہلانا پڑتا کہ کہیں پھٹ نہ پڑے مگر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور حوصلہ دیا اور ہمت عطا کی۔ 11 بجے اچانک تانتا ٹوٹا تو بھاگ کر انصار اللہ کے مہمان خانہ میں روپوش ہوگیا جہاں چند گھنٹے سکون سے کام کرنے کے ملے۔ اب اس وقت اعصاب میں اتنا سکون محسوس کر رہا ہوں کہ بتا نہیں سکتا۔''

☆☆☆

خط محررہ 03/05/1982

''کئی دن سے روز خط لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن مصروفیتیں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح لپٹی ہوئی چلی آتی ہیں کہ بٹی ہوئی رسی کی طرح بغیر وقفہ کے چلتی ہیں۔ صبح سے رات تک اسی طرح وقت کے انتظار میں وقت گزرتا جاتا ہے یہاں تک کہ رات کو تھک ہار کر مطالعہ کے سوا اور کوئی ہمت نہیں رہتی۔''

قبل از خلافت آپ کو جماعتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اپنی نجی ذمہ داریوں کو بھی پورا کرنا پڑتا۔ پیشہ کے لحاظ سے اپنے آپ کو زمیندار بھی کہتے تھے سندھ کی زمینوں کے علاوہ آپ کی ذاتی زمین اور باغ احمد نگر جو ربوہ سے سرگودھا جاتے ہوئے دو میل کے فاصلے پر ہے وہاں بھی فصل کی دیکھ بھال اور دیگر امور سے نمٹنا ہوتا۔ لیکن یہ ناممکن تھا کہ جماعتی امور کے درمیان

آپ کی ذاتی مصروفیات حائل ہوسکتیں۔آپ کئی بار ذکر فرماتے کہ اِدھر میری فصل تیار ہوتی یا بوائی کا وقت ہوتا اُدھر جماعتی دورہ طے ہو جاتا میں اپنے بیوی بچوں کو دعا کی تحریک کر کے جماعتی دورے پر روانہ ہو جاتا مگر خدا کے فضل سے کبھی جماعتی امور کیوجہ سے نقصان نہ ہوا ہمیشہ اللہ کے فضل سے میری فصل دوسروں سے اچھی ہوتی ہے۔

حضور نے قبل از خلافت ملک کے دور دراز علاقوں کے دورے کئے۔آپ کے کچھ دورے تو خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے پروگراموں میں شرکت کیلئے ہوتے تھے اور کچھ دورے مختلف جماعتوں کی طرف سے سوال و جواب کی محافل Arrange کرنے پر ہوتے۔آپ نے اپنے کچھ خطوط میں اپنے ان دوروں کا ذکر بھی فرمایا جو قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔آپ نے ایک خط مورخہ 9 مارچ 1981 کو ناصر آباد، وسیم آباد، حیدر آباد، لاڑکانہ، انور آباد اور سکھر کے دوروں کے واقعات پر مشتمل لکھا۔آپ کا یہ خط جو کہ آٹھ صفحات پر مشتمل ہے واضح کرتا ہے کہ آپ کس حد تک جانفشانی سے خدمتِ دین کا فریضہ پورا کرتے رہے۔آپ لکھتے ہیں۔

جمعرات کو ناصر آباد کام ختم کر کے وسیم آباد گیا جہاں بہت کام اکٹھا ہُوا ہُوا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر تقریباً 3 بجے حیدر آباد پہنچا۔وہاں تین سے ساڑھے چار بجے تک کالج کی لڑکیوں کے ساتھ سوال و جواب کی مجلس لگی۔اچھی تعلیم یافتہ سلجھی ہوئی لڑکیاں تھیں۔اکثر ایم اے، ایم ایس سی کی طالبات تھیں۔انہوں نے بڑی گہری دلچسپی لی اور سوالات کا ایک تانتا بندھ گیا۔الحمدللہ کہ کچھ نہ کچھ ان کی تشفی کروانے کی توفیق ملی۔

ساڑھے چار بجے ہم ایک بڑے ہوٹل " فٹاز" کے لئے روانہ ہوئے جہاں

طالب علموں کے علاوہ حیدر آباد کے اکثر قابلِ ذکر دانشور جمع تھے۔ 150 غیر احمدی دوست آئے ہوئے تھے۔ یہ مجلس تقریباً سات بجے تک جاری رہی۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل کیا کہ تھکاوٹ کے باوجود مناسب جواب دینے کی توفیق ملی۔ لوگوں نے توقع سے کہیں بڑھ کر دلچسپی لی۔

یہاں سے فارغ ہوتے ہی .....(بیت الذکر) چلے گئے جہاں ایک جماعت کا جلسہ اور ایک انصار اللہ کا اجلاس تھا۔ اس کے بعد وہیں کھانا اور آرام کے لئے ریسٹ ہاؤس میں جہاں سے صبح منہ اندھیرے لاڑکانہ کے لئے روانہ ہونا تھا۔

صبح کا سفر بڑا خوشگوار تھا۔ دریائے سندھ کے دائیں کنارے سے ذرا ہٹ کر ساتھ ساتھ سڑک جاتی ہے راستے میں کہیں آبادی کہیں صحرا کہیں دریا کے بیلے انور آباد میں جمعہ پڑھا۔ مخالف علماء نے سارے علاقے میں اشتعال پھیلایا ہوا تھا۔ اردگرد کے قصبوں سے مخالفین کی بسیں بھر بھر کر ہم پر حملہ کرنے کی غرض سے آئی ہوئی تھیں جو ہر قسم کے ہتھیاروں، بندوقوں، خنجروں، برچھیوں وغیرہ سے لیس تھے۔ ہم جب ایک بس کے پاس سے گزرے تو میں نے خوب ہاتھ ہلا ہلا کر ان کی گالیوں کی داد دی حتیٰ کہ وہ بھی شک میں پڑ گئے کہ کہیں ہمارا مولوی ہی نہ ہو۔ لیکن شکل دیکھتے تھے تو پھر جوش آجاتا تھا۔ کیونکہ ان کے مولویوں جیسا نور میرے چہرے پر کہاں تھا۔ جمعہ میں میں نے .... جماعت کو حوصلہ دلایا اور صبر اور دعا کی تلقین کی۔ مولوی بڑے مشتعل ہو کر اردگرد منڈلا رہے تھے۔ لیکن ہم ہنس ہنس کر انہیں دیکھتے رہے۔

جمعہ کے بعد A-C نے ہاتھ باندھ دیئے کہ آپ کو ڈر نہیں تو نہ ہو۔ خدا کے لئے ہماری کھال تو نہ اُدھڑوائیں۔ یہاں کچھ ہو گیا تو میں مارا جاؤں گا۔ اس لئے باقی جلسہ

برخاست کردیں۔ چنانچہ جماعت کے مشورہ پر جلسہ برخاست کر کے کھانا کھائے بغیر وہاں سے روانہ ہوئے۔ لاڑکانہ پہنچ کر ساڑھے پانچ بجے دوپہر کا کھانا کھایا۔ وہاں سے سکھر کیلئے روانہ ہوئے اور رات سکھر میں ایک مختصر مجلس لگی دوسرے دن ساڑھے بارہ بجے جہاز جانا تھا اچانک کام نہ ہونے کہ وجہ سے وقت ٹھہر گیا اور اس شدت سے بور ہوا کہ بتا نہیں سکتا۔

وقت بھی عجیب الٹی کھوپڑی کی چیز ہے دل چاہے کہ ٹھہر جائے تو ایسا بگٹٹ دوڑنے لگتا ہے کہ قابو کا نہیں رہتا۔ جتنا روکو اتنا تیز یہاں تک کہ آناً فاناً سارے کا سارا ہاتھ سے نکل یہ جا وہ جا۔ ماضی میں ڈوب جاتا ہے۔ جیسے کسی شاعر کی آس کا پنچھی افق میں ڈوبنے کا مصمم ارادہ کئے سینہ پھاڑ کر نکل بھاگا ہو۔

جب دل چاہے کہ وقت ذرا ہلے جلے۔ کچھ دو چار قدم چلے۔ کچھ ٹانگیں سیدھی کرے۔ کوئی گز بھر فاصلہ طے کرے تو کم بخت ایسا اٹکتا ہے جیسے خچر اڑ جاتا ہے آگے کو دھکیلو تو پیچھے کو چلنے لگتا ہے۔ ایسا دھرنا مار کر بیٹھ جاتا ہے جیسے زندگی بھر وہیں بیٹھا رہے گا وہیں مرے گا وہیں گاڑا جائیگا۔ ہاتھ پاؤں تو الگ رہے، انگلی تک ہلائی نہیں جاتی۔ جیسے گنٹھیا کا پرانا مریض ہو۔ ایسے میں انسان کی کچھ پیش نہیں جاتی، وقت کا لاشہ گھسیٹ گھسیٹ کر کچھ تھوڑا سا دم لے کر پھر کچھ زور آزمائی کر کے ہانپتا کانپتا انسان بالآخر اس دلدل سے باہر آ ہی جاتا ہے۔

چار و ناچار میں بھی ساڑھے بارہ بجے اس دلدل سے باہر آ ہی گیا۔ لیکن آگے دیکھا تو جہاز میاں لیٹ ہوئے ہوئے تھے۔ وقت کی دلدل کے کنارے بیٹھ گیا تو وقت نے میرا وہ منہ چڑایا کہ کیا بتاؤں، ہنستا تھا اور کہتا تھا اور گھسیٹو مجھے اب کر لو صبر۔ ہوائی جہاز پر

اچھا ساتھ مل گیا تو وقت بھی ہوا کے دوش پر سوار اڑنے لگا۔

سفر کے تفصیلی حالات تو میں نے لکھے ہی نہیں اور خط کتنا لمبا ہو گیا ہے۔ رات سے بڑی تیز اور ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ کچھ بارش بھی ہوئی تھی۔ موسم گرم ہوتے ہوتے پھر سہانا ہو گیا۔''

خط محررہ 21/05/1982

''کل کی مجالس مذاکرہ میں دو تین کالج کے وفود بھی آئے ہوئے تھے۔ گفت و شنید اتنے پیارے اور پُر سکون ماحول میں ہوئی اور سوالات اِتنے علمی اور دلچسپ تھے کہ مزا آ گیا۔ جھنگ سے جو وفد آیا تھا وہ عموماً تاجروں پر مشتمل تھا اور کچھ مولوی بھی تھے لیکن سلجھے ہوئے تھے اس طرح شیخوپورہ کا وفد بھی بہت اچھا تھا۔ چار گھنٹے مسلسل بولنے کے باوجود طبیعت کو اتنا سکون ملا کہ دن کے پہلے حصہ کی تھکاوٹ بھی جاتی رہی۔ احمدیت کے حق میں لوگوں کے چہروں کے نقوش ملائم ہوتے دیکھ کر دل حمد سے بھر جاتا اور جب سختیاں نرمی میں بدلتی تھیں اور نرمی محبت کا رنگ پکڑنے لگتی تھی۔ روح شکر کے ترانے گاتی تھی کی میرے جیسے بے کار اور گنہگار انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی ورنہ میں خدمت گاروں میں لکھے جانے کے لائق بھی نہیں۔

کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ

تم اسے مبالغہ یا انکساری نہ سمجھنا ہے یہی بات جو میں کہہ رہا ہوں۔ اگر محض ازراہِ لطف و احسان خدا تعالیٰ مجھے ان اچھے کاموں میں نہ لگاتا تو میں..... خدا جانے دنیا میں کہاں تسکین قلب کی موہوم تلاش میں دھکے کھاتا پھرتا۔ کل کے آنے والوں میں شیخوپورہ کے

ایک ایسے دوست بھی تھے جو میرے وہاں پچھلے دورہ میں مذاکرہ کے بعد احمدی ہوئے تھے اور اب تک ان کے گھر کے سات افراد بیعت کر چکے ہیں۔اس کی نگاہوں میں ایسی احسان مندی اور محبت کا جذبہ تھا کہ اُس سے نظر ملاتے ہوئے حیا آتی تھی"

☆☆☆

چند منتخب خطوط سے اقتباسات

پیارے آقا کے چند خطوط کے اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔ یہ سارے خطوط حضور نے میری اہلیہ کو ایک طویل عرصہ کے دوران لکھے جن میں بیش قیمت نصائح۔ تربیت کا انداز۔ آپ کا انکسار، ہمدردی خلق، آپ کا اعلیٰ ذوق، عشق الٰہی، پابندیِ نماز اور آپ کی دعاؤں کا منفرد انداز ایک نہایت دلنشین انداز میں ملتا ہے۔

عزیزہ شوکت جہاں کو نمونیہ کا شدید حملہ ہوا تو حضور نے اسکا علاج شروع فرمایا اور ساتھ دعا کی فرماتے ہیں۔

خط محررہ 03-06-1969

''میں نے دوا سے پہلے دُعا کی اور اللہ میاں سے مدد مانگی اور راہنمائی طلب کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے نہ صرف صحیح دوا کی طرف میری راہنمائی کی بلکہ خواب میں اتنی واضح خوشخبری دی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ شوکی انشاء اللہ تعالیٰ اَب بہت جلد مستقل شفا پا جائیگی۔ یہ میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ستاری اور غفاری ظاہر ہو کہ کیسے کیسے گناہگار اور ناکارہ بندوں کے گناہوں سے درگزر فرماتے ہوئے مشکل کے وقت اُن کی پکار کو سنتا اور رحمت اور شفقت کا سلوک فرماتا ہے۔ اپنے پراگندہ حال اور خدا تعالیٰ کے اس کریمانہ سلوک کو دیکھ کر دل غرقِ ندامت ہو جاتا ہے۔''

خاکسار کے بڑے بھائی جان مکرم محمد افضل کھوکھر صاحب کے راہ مولا میں قربان ہونے کے ایک ماہ بعد اپنے خط محررہ 01-07-74 میں فرماتے ہیں!

''..... مجھے اِس خیال سے بہت خوشی ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں مرحوم افضل کے بچوں کی نہایت اخلاص اور بشاشتِ قلبی کے ساتھ خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ انشاء اللہ تمہاری یہ خدمت، دین اور دنیا دونوں کو سنوار دے گی اور تمہیں بہت اجر ملے گا۔.....''

1977 میں کراچی میں بارشوں سے سیلاب آ گیا اور کم وبیش دو اڑھائی سو جانیں ضائع ہو گئیں۔ خاکسار کی اہلیہ نے کراچی کے حالات حضور کی خدمت میں تحریر کیے تو حضور نے اپنے خط میں فرمایا۔

خط محررہ 03/06/1977

''اللہ تعالیٰ قوم کو معاف فرمائے اور عذابوں اور تکلیفوں سے نجات بخشے ویسے میرا ذاتی ایمان یہ ہے کہ جب تک اس ملک میں احمدیت کی عزت اور احترام کو قائم نہیں کیا جاتا اور غیر مسلم قرار دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ناراضگی اس قوم کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ اس وجہ سے فکر بھی پیدا ہوتا ہے اور دعا کی طرف بھی توجہ ہوتی ہے خدا کرے یہ قوم ہدایت پائے اور قوم کا مقدر جاگ اٹھے۔ اور دنیا کی عظیم الشان قوموں میں شمار ہونے لگے۔ امر واقع ہے کہ اس وقت اگر غریب کی سچی ہمدردی کہیں پائی جاتی ہے تو وہ صرف جماعت احمدیہ میں ہے..... ہر شخص غریب کو سیڑھی بنا کر حکومت کی مسند

پر بیٹھتا ہے۔ اور جھوٹے وعدوں سے اس کا پیٹ بھرنے کی کوشش کرتا ہے مجھے کراچی کے غریب مصیبت زدہ لوگوں کے حالات پڑھ کر سخت دکھ ہوتا ہے میرے بس میں ہوتا تو ان کی نئی بستیاں بناتا اور جب تک غرباء کی بہترین آبادیاں تعمیر نہ ہو جاتیں کراچی کی ترقی کی تمام دوسری سکیمیں بند کر دیتا۔''

خط محررہ 02/12/1978

''دعا میں یاد رکھا کرو اور نمازوں کی فکر کیا کرو اس پہلو سے مجھے تمھاری بہت فکر رہتی ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ نمازوں میں پختگی بڑی برکتوں کا موجب ہے۔ اور باتوں کے علاوہ اولاد کے مستقبل کی حفاظت کیلئے گھروں میں نماز اور تلاوت کی عادت بہت ہی بابرکت ثابت ہوتی ہے۔ اب تم یہ نہ کہہ دینا کہ بڑے آئے مولوی بننے والے! مولوی تو میں بالکل نہیں۔ لیکن اپنی سب کمزوریوں کے باوجود انسانی ہمدردی سے میرا دل بھرا ہوا ہے۔ اور تمھیں بھی نیک انجام دیکھنا چاہتا ہوں۔ خدا تعالیٰ تم سب کو خوشیوں سے معمور لمبی صحت و عافیت والی سعید زندگی عطا فرمائے۔''

خط محررہ 5 مارچ 1980ء

''کل طوبیٰ کی Birthday تھی۔ ہم Birthday نہیں مناتے بلکہ نوٹس بھی نہیں لیتے۔ کل پہلے دن طوبیٰ کو سکول میں داخلہ بھی ملا تھا اور نہایت دلچسپ رنگ میں 4 کا عدد بار بار سامنے آ رہا تھا اس لئے شوکی نے اس یادگار دن کی یاد میں ایک کیک بنایا۔ طوبیٰ 4 مارچ کو پیدا ہوئی اور چار مارچ کو سکول میں داخل ہوئی ہماری چوتھی بیٹی ہے۔ جس سکول میں داخل ہوئی اسکا نام رابعہ کنڈر گارڈن ہے اور رابعہ کا معنی چوتھی

ہے۔کل 4 مارچ کو منگل تھی جو جمعہ کے بعد چوتھا دن ہے''۔

(بعد ازاں چوتھے خلیفۃ المسیح کی بیٹی بنی)

خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی خدمت میں شیروانی کا نذرانہ پیش کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ نے خاکسار کی اہلیہ کے نام ایک خط میں خاکسار کی اس خواہش کے جواب میں یہ نصیحت فرمائی۔

خط محررہ 18/3/1980

''ویسے مجھے بہت خوشی ہے کہ مبارک کو حضرت صاحب سے گہرا ذاتی تعلق ہے۔ میرا ایمان ہے کہ ہر احمدی کو خلیفۃ المسیح سے اسی طرح گہرا ذاتی پیار کا تعلق ہونا چاہیے۔ یہ تعلق دین اور دنیا دونوں میں بھلائی کا موجب بنتا ہے۔ اللھم زدفزد۔ لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ جماعتی نظام کے ساتھ پورے خلوص اور جذبہ اطاعت کے ساتھ وابستگی اور سلسلہ کے کاموں کے لئے وقت دینا اور جماعت کا مستعد ممبر بن کر رہنا اپنی جگہ از بس ضروری ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں اور صرف خلیفۃ المسیح سے دعاؤں کی خاطر تعلق پیدا کیا جائے تو یہ پیر پرستی کا رنگ تو کہلا سکتا ہے۔ سچی احمدیت کی روح نہیں اسی طرح بظاہر جماعتی کاموں میں دلچسپی لینا لیکن خلیفۃ المسیح سے عدم تعلق بھی بیماری کی علامت ہیں۔ پس مبارک سے کہو کہ وہ مکمل اور متوازن وجود بننے کی کوشش کرے اور مقامی طور پر بھی جماعتی کاموں میں گہری دلچسپی لیا کرے جس طرح تم لجنہ میں لیتی ہو۔ تمہیں میری نصیحت یہ ہے کہ ہر ہفتہ حضرت صاحب کی

خدمت میں ایک دعا کا خط لکھا کرو جس میں اپنے لئے، مبارک کے لئے، اوما، بکی کے لئے دعا کی درخواست کیا کرو۔ دعا کے لئے خط لکھنے سے بھی ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو رفتہ رفتہ بڑھتا رہتا ہے۔''

خط محررہ 10/6/1980

''رات دُعا کی بہت توفیق ملی۔ ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ پھڑک پھڑک کر دعا دل سے نکلی اور دل کی گہرائیوں سے سب عزیزوں، اور عزیز دوستوں اور محبت رکھنے والوں کے لئے دعا کی اور بڑی تسکین ملی جس کا لطف ابھی تک محسوس ہو رہا ہے۔''

خط محررہ 20/6/1980

''میرا تجربہ یہ ہے کہ اگر دعا نہ ہو تو انسانی زندگی میں سکون میسر ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور۔ پھر اس زمانہ میں حضرت اقدس مسیح موعود ..... کا یہ عظیم الشان احسان ہم پر ہے کہ ہمیں دعا کا طریق سکھا دیا میں تو اس سے اتنا فائدہ اٹھاتا ہوں کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ اِدھر مشکل پڑی اُدھر دعا سے آسانی کی صورت پیدا ہو گئی۔ مگر دُعا رسمی نہیں پورے یقین اور اعتماد اور پیار کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ رحمان ہے۔ پیار کی بات مانتا ہے رسمی گفت وشنید یا زور سے کسی کی نہیں سنتا۔''

خط محررہ 13-7-80

''کل سے انشاء اللہ رمضان شریف بھی شروع ہو رہا ہے..... تمہیں بعض خوابیں ایسی واضح اور سچی آتی ہیں کہ صاف پتہ چلتا ہے کہ تم میں روحانی ترقی کی صلاحیت موجود ہے۔ اگر اِس صلاحیت سے فائدہ نہ اُٹھایا تو یہ ضائع ہو جائیگی۔ اس رمضان میں خاص طور اپنے لئے ایک دعا کرو اور اس پر اتنا زور دو کہ ہر دوسری دعا اس کے سامنے ہیچ ہو جائے وہ دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں اپنا سچا اور دائمی پیار بھر دے اور تم سے بھی ہمیشہ محبت اور پیار کا ایسا سلوک فرمائے کہ دن بدن تمہارا تعلق بڑھتا رہے۔ یہ پیار اس قسم کا ہو کہ روزانہ وہ ایک زندہ محبت کرنے والے دوست اور ساتھی کی طرح تمہارے ساتھ رہے اور تمہیں اس کا قرب بسا اوقات شدت سے محسوس ہو اور یقین ہو کہ ہاں وہ تمہارا ہے اور تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے ساتھ رہے گا۔ یہ بھی ساتھ دعا کرو کہ مرتے دم تک خدا تمہیں نہ چھوڑے اور ایسے افعال کی توفیق بھی نہ دے جو خدا تعالیٰ کا تعلق کاٹ دینے والے ہوں۔ اگر تم میری یہ بات مانو اور رمضان شریف میں پیچھے پڑ کر یہ دعا منوالو تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تمہاری زندگی کا رنگ ہی بدل جائے گا اور ایک عجیب پُر لطف اور پرسکون جنت میں داخل ہو جاؤ گی۔''

خاکسار کی اہلیہ نے آپ کو عید کارڈ بھیجا۔ آپ نے انتہائی پیارے انداز میں اس رسم کے بارے میں اپنا موقف بیان فرماتے ہوئے درج ذیل خط لکھا۔

خط محررہ 10/8/1980

''ساری زندگی کسی کا اتنا پیارا عید کارڈ نہیں آیا۔ تمہارے انتخاب کی داد دینے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں.....

پہلے تو لفافہ دیکھتے ہی خیال آیا کہ تمہیں لکھوں کہ حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) عید کارڈ کی رسم پسند نہیں کرتے تھے اس لئے نہ میں نے بھیجا نہ بی بی نے نہ شوکی فائزہ نے لیکن جب کارڈ دیکھا تو ہکا بکا رہ گیا۔ انگریزی کی ایسی شُستہ اور پیاری عبارت یہ تو مجھے پتہ ہے کہ تمہارا مذاق نہایت پاکیزہ اور لطیف ہے لیکن یہ نہیں پتہ تھا کہ انگریزی زبان میں بھی تمہیں اتنا محاورہ ہو چکا ہے کہ بہترین انتخاب کر سکو۔''

خط محررہ 21/1/1981

''صبح ارادہ تھا کہ دفتر جا کر باقی کام نکالوں لیکن چلنے سے پہلے حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر کا دارالضیافت سے فون آ گیا کہ ملنے کے لئے آ جاؤ۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی بڑی پر لطف اور فکر انگیز مجلس میں بیٹھا۔ اب دوسرا کام شروع کرنے سے پہلے سوچا کہ اس مجلس کے تازہ تاثرات تمہیں جلدی سے لکھ دوں۔''

بعض مجالس کے تاثرات تازہ پھولوں کی خوشبو کی طرح ہوتے ہیں اُن پھولوں کو کھلے ہوئے کچھ دیر گزر جائے تو وہ بات نہیں رہتی۔ مختلف موضوعات پر فارسی کے بلند پایہ شعراء کا منتخب کلام انہوں نے سنایا کئی مرتبہ تو قدم قدم روش روش اُن کے ساتھ چلتا رہا اور وہ انگلی اُٹھا اُٹھا کر شعروں کے اُس چمن کے مختلف گوشوں کا حسن مجھے دکھاتے رہے۔ جیسے یورپ میں شوکی فائزہ کو میں قدرت کے حسین مناظر دکھایا کرتا تھا۔ یا جیسے وُلزے پارک انگلستان میں درختوں کے جھرمٹ سے جھانکتی ہوئی بے حد حسین و دلکش پھولوں کی کیاریاں دیکھ کر انہیں متوجہ کرتا تھا کہ دیکھو وہ بھی دیکھو وہ بھی تو دیکھو۔ لیکن شعروں کی دنیا کی اس سیر میں بسا اوقات شیخ صاحب آگے نکل جاتے اور میں کسی ایک شعر کے حسن میں ڈوب کر کھویا جاتا۔ جیسے کسی پھول کا درکھلا

دیکھ کر بھنورا اس میں ڈوب جاتا ہے۔ شعر کے دریچے کے اس پار مجھے حسن کا ایک جہان نظر آتا جس کی میں تنہا سیر کرتا رہتا ایسی ہی ایک تنہا سیر کے دوران میں نے سوچا کہ میں بھی تو تضادات کا مجموعہ ہوں ساتھی ہوں تو تنہائی کو ترستا ہوں۔ تنہائی ملے تو ساتھ ڈھونڈتا ہوں۔ آخر یہ پاگل مَن چاہتا کیا ہے۔ کسی چیز پر بھی راضی نہیں ہوتا۔ بے چین ضدی بچہ کہیں کا۔ کھلونا نہ ہو تو کھلونے کو روئے، کھلونا دو تو کھلونا پٹخ کر اس کے ٹوٹے ہوئے بکھرے ہوئے ٹکڑوں پر واویلا کرنے لگے۔ میں نے سوچا انسان ناشکرا اپنے رب سے ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ تبھی تو بار بار اُسے کہنا پڑتا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ زندگی دیتا ہوں تو موت مانگنے لگتے ہو موت دوں تو زندگی کی دُہائی دینے لگتے ہو۔ آخر میری کن کن نعمتوں کی تم تکذیب کرتے چلے جاؤ گے۔

پس ایسے کئی بار ہوا کہ میں کسی ایک پھول کی سیر میں کھو یا گیا اور شیخ صاحب آگے نکل گئے اور پھر مجھے پیچھے مڑ کر اس طرح آوازیں دیکر بلایا جیسے بچہ سیر کے دوران پیچھے رہ جاتا ہے تو ماں باپ ٹھہر ٹھہر کر اسے بلاتے رہتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آج سیر کرانے والے نے زیادہ سیر کی یا اس نے جسے سیر کروائی جا رہی تھی۔ حضرت اقدس مسیح موعود کا ایک ایسا پیارا شعر انہوں نے سنایا تو اس کی سیر میں جو کھو یا گیا تو بہت دور نکل گیا۔ ادھر شیخ صاحب سارے چمن کی سیر مکمل کر کے مجھے ڈھونڈتے ہوئے واپس لوٹے تو وہیں مِلا جہاں مجھے چھوڑ کر گئے تھے۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ میں بھی کتنا ناشکرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے لیکن میں حقِ نعمت ادا نہیں کرتا۔''

☆☆☆

خط محررہ 1981ء

''میرا یقین ہے کہ نماز کی پابندی رفتہ رفتہ انسان کو روحانی زندگی عطا کرتی رہتی ہے اور گناہوں کے باوجود ایسا انسان مردہ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کوئی گناہ نہ بھی ہو اور بظاہر کتنا ہی معصوم کیوں نہ ہو اور نماز نہ پڑھے تو مردہ کا مردہ ہی رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس پر اتنا زور دیتا ہوں۔''

خط محررہ 1981 بنام عزیزم مظفر احمد کھوکھر (بکّی)

''پیارے بکی جی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے تم خدا کے فضل سے خیریت سے ہو گے۔ اگرچہ اوما سے اسکی چھوٹی عمر کی پیاری باتوں کی وجہ سے اور طرح کا لاڈ ہے لیکن تم سے بھی جو پیار ہے کسی سے کم نہیں خصوصاً تمہاری احمدیت میں دلچسپی اور ذہانت اور علم کا شوق دیکھ کر بے حد خوشی ہوتی ہے اور دل سے دعا نکلتی ہے۔ ماشاء اللہ چشمِ بد دور اللھم زدفزد .... ماں خواہ کتنی بھی سختی کرے اسکے پاؤں کی خاک بن کر رہنے میں ہی سعادت ہے۔ ماں کے ادب اور اطاعت اور محبت میں بڑی برکت ہے تمہیں اندازہ نہیں تو میری مانو............''

☆☆☆

خط محررہ 23/7/1981

''.....تم نے تو صرف گھر کی دعا کا لکھا ہے۔ یعنی اس دنیا میں ایک گھر کی دعا کا، لیکن میں تو تمھارے لیے دنیا کے گھر کی ہی نہیں جنت کے گھر کی دعا بھی کرتا ہوں۔ اور یہی نہیں بلکہ تم سب کے لیے جو اچھی اچھی دعائیں یاد آتی ہیں کرتا رہتا ہوں۔ سب سے زیادہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اپنا حقیقی پیار نصیب کرے اتنا کہ تمھیں نشہ سا آ جائے۔ اور بات بات پر وہ یاد آنے لگے۔.....خدا کرے یہ رمضان اس طرح نہ نکل جائے کہ احساسِ محرومی کے سوا دامن میں کچھ نہ پاؤں، آخری عشرہ شروع ہے۔ اعتکاف بیٹھنے والے بیٹھ گئے ہیں۔ خدا کرے میرے لیے اور میرے پیاروں کے لیے بھی یہ عشرہ مبارک ثابت ہو اور ہماری جھولی میں فضل اور رحمت کی کچھ خیرات ڈال جائے (آمین).....''

خط محررہ 29-03-1982

'' جماعتی معاملہ میں تمہارے تعاون سے خوشی ہوئی۔ میرے تعلق والے جب جماعتی کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں تو اتنا مزہ آتا ہے کہ بتا نہیں سکتا جب سے مبارک میاں نے خدام الاحمدیہ کا کام شروع کیا ہے مجھے پہلے سے بھی زیادہ اچھے لگنے لگ گئے ہیں۔ اسی طرح بکّی جی (مظفر احمد) کو جمعہ وغیرہ پر آگے آگے دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ اوما (ہماری بیٹی) کا تو ابھی آغاز ہے کبھی دوڑی دوڑی دوپٹہ سر پر ڈال کر نماز میں شامل ہو جاتی ہے کبھی دوڑی دوڑی نماز چھوڑ کر فون سننے چلی جاتی ہے پھر بھوک لگتی ہے تو دوڑی دوڑی باورچی خانہ پھر ساتھ شامل ہو کر سلام پھیرتی ہے۔ آہستہ آہستہ پریکٹس ہو جائے گی تم نے بھی تو پہلے پہلے.....بیٹھ کر شروع کی تھی.....

اب حال یہ ہے کہ صبح کے نمازیوں میں سب سے پہلے سنتیں ادا کر کے نماز کے انتظار میں تم بیٹھی ہوتی ہو۔ خدا کرے یہ ترقی کا سلسلہ جاری رہے تو تہجد کی بھی توفیق مل جائے۔ مجھے اب یقین ہوتا جا رہا ہے کہ انشاءاللہ تم اور ترقی کرو گی۔

خط محررہ 01-04-1982

''..... آجکل سوانح فضل عمر پر کام شروع کر رکھا ہے۔ دعا کرو اللہ تعالیٰ بہترین تصنیف کی توفیق بخشے بڑا مشکل کام ہے اس ضمن میں ابا جان کا وہ نہایت دردناک اور محبت میں ڈوبا ہوا مضمون پھر پڑھنے کی توفیق ملی جس کا عنوان ''میری مریم'' ہے۔ عجیب دلگداز مضمون ہے کہ پڑھتے پڑھتے دل پگھل کر آنکھوں سے ٹپکنے لگتا ہے.....

آخر پر میری طرف سے نائب صدر لجنہ ڈیفنس سوسائٹی (کراچی) بننے پر دلی مبارکباد قبول کرو۔ عہدوں میں تو کچھ نہیں رکھا۔ عہدوں کی تمنا بھی ایک ذلیل سی کھوکھلی بے حقیقت چیز ہے اصل چیز تو خدمت ہے مجھے خوشی صرف اس لئے ہوئی ہے کہ تم نے لازماً دینی کاموں میں دلچسپی لی ہے اور کچھ کیا ہے تو خواتین نے تمہارا نام اس عہدہ کیلئے پیش کیا۔ پسِ منظر میں جو دلچسپیاں کارفرما ہیں ان کے تصور سے بے حد خوشی ہوئی۔ کاش میری بیٹیاں بھی ایسے کام کریں ''میری مریم'' پڑھتے پڑھتے دل سے بارہا یہ حسرت اُٹھی۔

..... اب ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کیلئے کچھ دینی مطالعہ بھی بڑھاؤ۔ حضرت مسیح موعود کی کتب کا مطالعہ شروع کرو۔ شروع میں ذرا مشکل لگیں گی پھر رفتہ رفتہ آسان ہوتی چلی جائیں گی۔

آپ کے یادگار سفر

تم ہو خدا کے ساتھ خدا ہو تمہارے ساتھ
ہر ملک میں تمہاری حفاظت خدا کرے

خاکسار کو اپنے آقا کے ہمراہ بے شمار سفروں میں ہم رکابی کا شرف عطا ہوا۔ کچھ سفر غیر معمولی نوعیت کے ہیں ان میں خدا تعالیٰ کی آپ کے ساتھ تائید اور نصرت کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ آپ کے ایسے دو سفر قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

1972ء کے ایک ایسے ہی غیر معمولی سفر کی روئیداد بیان کر رہا ہوں۔ اُن دنوں خاکسار دینہ ضلع جہلم سے تبدیل ہو کر لاہور آ گیا تھا اور Posting کے انتظار میں تھا۔ ایک دن حضور بغیر کسی طے شدہ پروگرام اور اطلاع کے حضرت بیگم صاحبہ سمیت غریب خانے پر تشریف لائے معلوم ہوا اندرون سندھ اور کراچی کے دورہ پر روانگی ہے۔ مجھے بمعہ اہلیہ ساتھ چلنے کے لئے فرمایا۔ خاکسار نے اپنی بعض دفتری مصروفیات کے باعث معذرت کر لی اور اپنی اہلیہ اور 3 سالہ بیٹے عزیزم مظفر احمد (بکی) کو حضور کے ساتھ بھیج دیا۔ اگرچہ حضور نے مجھے بھی بااصرار ساتھ چلنے کو کہا لیکن میرا جانا ممکن نہ تھا اس لئے زیادہ زور نہ دیا۔

روانگی کے تیسرے دن میری اہلیہ نے فون پر نہایت پریشان کن اطلاع دی کہ کراچی آتے ہی حضور کا اپنڈیکس کا آپریشن ہوا ہے اور اس وقت حضور کراچی کے ایک کلینک میں

صاحب فراش ہیں اور بہت تکلیف میں ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی خاکسار کراچی روانہ ہو گیا اور سیدھا وکٹوریہ روڈ پر واقع پٹیل کلینک پہنچ گیا اور حضور کو بہت کرب کی حالت میں دیکھا۔ تفصیل جو میری اہلیہ نے بیان کی وہ کچھ اس طرح تھی کہ ربوہ سے روانگی سے قبل ہی حضور کو اپنڈیکس کا درد شروع ہو چکا تھا اور حضور ہومیو پیتھک دوا کھا رہے تھے۔ لیکن کسی کو بتایا نہیں غالباً یہی وجہ تھی کہ حضور مجھے ساتھ لے جانے پر زور دیتے رہے تا کہ راستے میں گاڑی چلانے میں حضور کا ہاتھ بٹا سکوں۔

یہ اَمر قابلِ ذکر ہے کہ حضور کا یہ سفر جماعتی دورہ تھا اور اپنی تکلیف اور درد کے باوجود حضور نے اس کو ملتوی یا منسوخ نہیں فرمایا بلکہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بھی جماعتی کام کو ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل ہو تو ایسا۔ دوران سفر گاڑی چلاتے چلاتے آپ بار بار دائیں ہاتھ سے درد کی جگہ کو سہلاتے رہے۔ درد برداشت کرتے، دوائیں کھاتے اور دعائیں کرتے سفر جاری رہا۔ لیکن حیدر آباد کے آس پاس اپنڈیکس پھٹ گیا اور یہ بلند حوصلہ مردِ حق، شیرِ خدا اُسی طرح کار چلا کے کراچی پہنچ گیا۔ عزیزوں نے آپ کو پٹیل کلینک پہنچایا اور فوراً آپریشن ہو گیا۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نئی زندگی عطا فرمائی۔

ڈاکٹروں کا یہ کہنا کسی مبالغہ آرائی سے پاک تھا کہ یہ واقعہ میڈیکل ہسٹری کا ایک معجزہ ہے۔ کیونکہ اپنڈیکس پھٹنے کے بعد اتنی دیر تک کسی انسان کا زندہ بچ جانا طبی نقطۂ نظر سے ہرگز ممکن نہیں۔

چند دن بعد حضور ہسپتال سے گھر تشریف لے آئے اور طبیعت کچھ سنبھل گئی لیکن علاج ابھی جاری تھا کہ واپسی کے متعلق خاکسار سے ارشاد فرمایا ایک آدھ دن ٹھہر کر ربوہ چلیں گے۔ تم کار چلانا میں ساتھ بیٹھ جاؤں گا اور ساتھ یہ تاکید بھی کر دی کہ یہ بات کسی سے کہنی نہیں۔ حضور کی

حالت دیکھ کر اور ارادے جان کر میری تو روح فرسا ہوگئی۔ آپ ہرگز سفر کے قابل نہ تھے اور اوپر سے یہ طے کر چکے تھے کہ By Road جائیں گے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ یہ فیصلہ ان حالات میں مناسب معلوم نہیں ہوتا نظر ثانی فرمائیں۔ کیونکہ زخم ابھی کچے ہیں۔ راستے خراب ہیں دیر تک بیٹھنے اور پھر جھٹکوں سے زخم کھل بھی سکتا ہے فرمایا فکر نہ کرو کچھ نہیں ہوگا۔ حضور کی حالت کے پیش نظر خاکسار نے دل میں یہ عہد کر لیا کہ ایسا ہرگز نہ ہونے دونگا۔ کافی غور وفکر کے بعد بالآخر خاکسار ایک ایسے بزرگ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا جس کے متعلق مجھے علم تھا کہ حضور اُن کا بہت احترام کرتے ہیں۔ مکرم چوہدری بشیر احمد صاحب کاہلوں اُن دنوں کراچی میں ہی مقیم تھے۔ لہٰذا ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بپتا سنادی۔ چنانچہ چوہدری صاحب مرحوم نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں تمام حالات بذریعہ فون عرض کر دیے تو فوراً حضور انور رحمہ اللہ کا ارشاد بذریعہ ٹیلی فون موصول ہوگیا کہ

''تم اور آصفہ جہاز پر آجاؤ اور مبارک سے کہہ دو کہ کار لے آئے''۔ میری جان میں جان آئی کیونکہ اب آپ کیلئے حضور کے ارشاد گرامی پر عمل کرنے کے علاوہ کوئی رستہ باقی نہ رہا۔ لہٰذا مجھے ارشاد ہوا کہ تم جمیل کو ساتھ لے کر کار پر لاہور چلے جاؤ۔ خاکسار کو رستوں کی تفصیلات سے آگاہ فرمایا اور دوران سفر قیام وغیرہ کے انتظامات بھی فرما دیئے۔ ہماری روانگی کے اگلے روز حضور نے بعد دوپہر کی فلائیٹ سے لاہور آنا تھا مجھ سے فرمایا C-108 ماڈل ٹاؤن پر میں تمہارا انتظار کرونگا سیدھے وہاں پہنچ جانا۔

خاکسار کا کراچی سے لاہور بذریعہ کار یہ پہلا سفر تھا۔ دوسرے یہ کہ حضور کی کار بالکل نئی تھی تیسرے یہ کہ وہ Left Hand Drive اور آٹو میٹک تھی۔ یہ سارے مسائل باجماعت میرے ہمسفر تھے۔ ہم کراچی سے روانہ ہوئے اور حضور کی دُعاؤں سے اللہ تعالیٰ کے بے شمار

فضلوں اور رحمتوں کی بدولت بالکل بخیریت دوسرے دن عصر کے قریب C-108 ماڈل ٹاؤن لاہور پہنچ گئے۔ اُن دنوں یہ کوٹھی پرانی تھی اور اس کے دو گیٹ تھے۔ ایک گیٹ میں سے ہم داخل ہوئے اور دوسرے گیٹ میں سے ایک اور کار داخل ہوئی۔ دونوں گاڑیاں پورچ میں جا کر آمنے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اُس کار کی اگلی سیٹ پر آپ تشریف فرما ہیں۔ گاڑی سے اترتے ہوئے مجھے دیکھ کر اپنے مخصوص متبسم انداز میں فرمایا۔ مبارک تم کب پہنچے؟ عرض کیا ابھی آرہا ہوں۔ تو بے ساختہ آپ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے الحمدللہ۔ دیکھو کیسے اللہ تعالیٰ نے میری عاجزانہ دعا قبول فرماتے ہوئے مجھے تمہارے انتظار سے بچالیا۔ میں بھی ابھی ائر پورٹ سے آرہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا سلوک میرے حضور کے ساتھ غیر معمولی تھا اور پیارے آقا کو بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر بہت توکل تھا ہر قدم پر اس کو یاد کرتے ہر کام میں اور ہر حال میں دل بیار دست بکار کے عالم میں رہتے اِدھر کوئی مشکل پیش آتی اُدھر آپ دعا شروع کر دیتے اور اللہ کے فضل اور رحمت کی بارش کا نزول شروع ہو جاتا۔

مئی 1980ء میں آپ بمعہ بیگم صاحبہ اور بچوں کے انصار اللہ کی وین میں کراچی تشریف لائے۔ آپ کا یہ دورہ ناصر آباد، وسیم آباد، کراچی، سکھر، بہاولپور اور کوئٹہ کے دوروں پر مشتمل تھا کراچی میں کچھ دن قیام کے بعد آپ کا پروگرام پہلے کوئٹہ جانے کا تھا۔ لہٰذا خاکسار کو بمعہ اہلیہ اور بیٹی آپ کے ساتھ ہم رکابی کا موقع ملا۔ کراچی سے روانہ ہو کر سکھر میں مکرم حفیظ اللہ صاحب انجینئر ریلوے کے ہاں تھوڑی دیر قیام کرنے کے بعد سبی پہنچے شدید گرمی کی وجہ سے وہاں ایک ریسٹ ہاؤس میں کچھ وقت قیام کیا اور بعد ازاں شام کے وقت کوئٹہ پہنچے اور مکرم شیخ محمد حنیف صاحب امیر جماعت بلوچستان کے ہاں فروکش ہوئے۔

حضور نے کوئٹہ میں چند دن مختلف پروگراموں میں شرکت فرمائی غالباً چوتھے دن ربوہ سے بذریعہ ٹیلی فون آپ کی خوش دامن صاحبہ بی بی امتہ السلام بنت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد کی شدید علالت کی اطلاع موصول ہوئی اور حالت تشویش ناک ہونے کا بتایا گیا۔ حضور نے اس صورت حال کے پیشِ نظر حضرت بیگم صاحبہ سے مشورہ کرتے ہوئے فیصلہ فرمایا کہ اگلے دن علی الصبح کوئٹہ سے کراچی کیلئے روانہ ہوکر بعد دوپہر حضرت بیگم صاحبہ کو بذریعہ جہاز کراچی سے ربوہ کیلئے روانہ کردیا جائے اور وہ خود بعدازاں بذریعہ وین بچوں کے ہمراہ ربوہ جائیں گے لہٰذا حضرت بیگم صاحبہ کیلئے جہاز کا ٹکٹ کوئٹہ سے ہی خرید لیا گیا۔

اس پروگرام پر عمل کرتے ہوئے اگلے دن علی الصبح عازم کراچی ہوگئے۔ موسم شدید گرم تھا اور وین میں AC بھی نہیں تھا سبی میں ناشتے کیلئے رکتے ہوئے اگلے سفر پر روانہ ہوئے۔ جیکب آباد کے قریب آپ نے چند احمدی احباب کو سڑک کے کنارے کھڑے پا کر گاڑی روک دی۔ یہ احباب آپ کو شیخ محمد حنیف صاحب کا پیغام کہ آپ فون پر شیخ صاحب سے بات کرلیں پہنچانے کیلئے کھڑے تھے لہٰذا آپ اپنی گاڑی انکی گاڑی کے پیچھے چلاتے ہوئے بازار میں ایک احمدی دوست کی دوکان پر پہنچے۔ شیخ صاحب سے رابطہ ہونے پر خبر ملی کہ بی بی امتہ السلام صاحبہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

وین میں واپس آکر آپ نے حضرت بیگم صاحبہ کو یہ خبر سنائی اور نئی صورت حال کے مطابق ربوہ سیدھے جانے کا پروگرام طے ہوا۔ اس وقت غالباً صبح کے دس بج رہے ہونگے۔ جیکب آباد سے روانگی کے وقت خاکسار نے گاڑی چلانے کی پیشکش کی مگر آپ نے فرمایا کہ وہ بالکل تازہ دم ہیں اور نئے پروگرام کے مطابق ربوہ کیلئے روانہ ہوگئے۔ اب صورت حال یکسر بدل چکی تھی ہمارا آپ کے ہمراہ جانا ہر پہلو سے ضروری تھا۔ اور یہ طے بھی ہوگیا کہ ہم

ساتھ ہی ربوہ جائینگے جنازہ اور تدفین میں شرکت کے بعد کراچی واپس آئینگے اس سفر میں خاکسار کا بیٹا عزیزم مظفر احمد سکول جانے کی وجہ سے ہمراہ نہ تھا اور کسی عزیز کے ہاں اسکو کراچی چھوڑ کر آئے تھے۔

ربوہ کی طرف سفر جاری تھا۔ روہڑی پہنچنے پر ایک پٹرول پمپ پر وین میں ڈیزل بھروانے کیلئے کھڑے ہوئے۔ فیول بھروانے کے بعد یکدم ہمیں مخاطب کر کے فرمایا تم تینوں یہاں ہی اتر جاؤ اور حفیظ اللہ صاحب کے گھر سکھر چلے جاؤ۔ جہاں کوئٹہ جاتے ہوئے رکے تھے۔ ان کے ہاں شام تک قیام کر کے رات کو بذریعہ سکھر ایکسپریس کراچی چلے جاؤ کیونکہ مظفر اکیلا ہے اور وہ پریشان ہوگا۔ آپ کا یہ فیصلہ سنکر ہم بے حد پریشان ہوئے کیونکہ آپ کیلئے اسقدر طویل سفر اکیلے کرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ بے حد اصرار کیا مگر آپ نے ہماری کوئی بھی درخواست قبول نہ کی اور ایک رکشہ روکا اس کو محترم حفیظ اللہ صاحب کے گھر کا پتہ سمجھا کر ہمیں روانہ کر دیا۔ ہم نے شام تک سکھر میں قیام کیا اور رات کو بذریعہ سکھر ایکسپریس عازم کراچی ہو گئے۔ یہ ٹرین صبح 6-7 بجے کراچی پہنچتی ہے۔ گھر پہنچتے ہی ہم نے سب سے پہلے آپ کی خیریت دریافت کرنے کی لئے ربوہ آپ کے گھر کے فون پر کال بک کروائی۔ کال ملنے پر ربوہ کے آپریٹر نے بتایا کہ میاں صاحب گھر پر نہیں ہیں دفتر میں ہیں لہٰذا اس نے ہماری بات آپ سے دفتر میں کروادی۔

خیریت دریافت کرنے پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے رات ایک بجے بخیریت پہنچ گئے تھے۔ نمازِ فجر پر جنازہ ہوا اور بعد ازاں تدفین کے بعد فارغ ہو کر اپنے وقت پر دفتر آ گیا تھا۔ آپ کے یہ الفاظ سن کر ہم ورطہ حیرت میں ڈوب گئے کہ شدید گرمی میں اتنا طویل سفر کرنے کے بعد بھی آپ میں اس قدر ہمت باقی تھی کہ دفتر چلے جائیں۔

بعد ازاں اپنے اس سفر کے مختصر حالات اپنے خط محررہ 6/6/1980 میں فرماتے ہیں۔

''پیارے مبارک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ کئی دن سے خط لکھنے کی سوچ رہا تھا مگر دوسرے کاموں نے ایسا گھیر رکھا تھا کہ موقع نہ ملا۔

ہم بفضلِ تعالیٰ ایک بجے خیریت سے ربوہ پہنچ گئے تھے اور صبح جنازہ میں شمولیت کی توفیق مل گئی۔

گھوٹکی سے لے کر ملتان بلکہ کبیر والہ تک سڑک کی سطح سمندر کی لہروں کی یاد دلاتی تھی۔ بہاولپور والا راستہ سنا ہے بہتر ہے مگر سڑک کا ایک بڑا حصہ زیر تعمیر ہے لہٰذا بقیہ اچھی سڑک کی کسر وہ نکال دیتا ہے پس پنجند، مظفر گڑھ کا راستہ اختیار کیا۔ یہ راستہ صرف سمندری لہروں کی یاد ہی نہیں دلاتا بلکہ طوفانی لہروں کی یاد دلاتا ہے اس لئے بعض ٹکڑوں پر تو رفتار دس پندرہ میل سے زیادہ نہ ہوسکی۔ کبیر والہ سے براستہ جھنگ چنیوٹ سڑک عموماً بہت اچھی ہے اس لئے سفر کا آخری حصہ کافی تیزی سے کٹا دعا کا تو پہلے ہی میں بے حد قائل تھا مگر اس سفر میں دعا نے جو معجزہ دکھایا وہ حیرت انگیز ہے مسلسل 21 گھنٹے شدید گرمی کا سفر لیکن بفضل تعالیٰ نہ نیند آئی نہ کمزوری ہوئی بلکہ جنازہ کے بعد بھی صرف دو گھنٹے سو کر دفتر چلا گیا اور بالکل تازہ دم رہا۔ البتہ دوپہر کو جب سویا تو تین گھنٹے تک ایسی نیند آئی کہ شاذ و نادر ہی کبھی آتی ہے۔ راستے میں میری شوکی بیٹی نے بڑی ہمت کی کہ مسلسل ٹھنڈا پانی پلاتی رہی۔

.....افسوس ہے کہ آپ تینوں کو سفر کے عین بیچ میں پریشانی اٹھانی پڑی..... دلی معذرت پیش کرتا ہوں۔ اس دفعہ آپ سفر کے بہت اچھے ساتھی ثابت ہوئے آپ کی رفاقت سے مجھے بہت آرام ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء.....

سفر کا پروگرام اچانک کٹ جانے کے باعث تشنگی کا احساس ابھی تک باقی ہے ..... واپسی پر کراچی کے بھی دو تین پروگرام تھے پھر سکھر اور بہاولپور بھی اجلاس رکھے ہوئے تھے ناصر آباد، وسیم آباد فارم کے کام بھی پڑے ہوئے تھے یہ سب چیزیں ادھوری رہ گئیں پھر آپ لوگوں کی دلچسپ معیت بھی اچانک کٹ گئی۔ تقدیر کے آگے بھلا انسان کی کیا پیش جا سکتی ہے۔''

☆☆☆

تائید اور نصرت الٰہی کے چند واقعات

☆ 1978ء یا 1979ء کا واقعہ ہے۔ حضور کراچی تشریف لائے اور خاکسار کی کار لے کر بندر روڈ پر واقع کنزی جننگ فیکٹری کے دفتر تشریف لے گئے۔ گاڑی کھڑی کر کے دفتر سے فارغ ہوئے اور واپس خاکسار کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ چند کلومیٹر جانے کے بعد اچانک محسوس ہوا کہ یہ گاڑی مبارک کی تو نہیں اور پھر اس میں کچھ اس قسم کا سامان دیکھا کہ یقین ہو گیا کہ غلطی سے کسی دوسرے کی کار لے آیا ہوں۔ چنانچہ فوراً واپس مڑے اور دعا یہ شروع کی کہ اے مولا کریم غلطی مجھ سے ہوئی ہے اس کی سزا اس کے مالک کو نہ ملے اور وہ جگہ خالی رہے جہاں سے میں یہ گاڑی لایا ہوں تا کہ اسی جگہ پر اس کو کھڑا کر سکوں تا اس کا مالک پریشان نہ ہو۔ بظاہر یہ معمولی سی بات تھی لیکن بندر روڈ کراچی کو دیکھنے والے جانتے ہیں کہ اس طرح کی دعا کرنا جاگتے میں خواب دیکھنے کے مترادف ہے کیونکہ وہاں تو گاڑیوں کا ایک سیلاب اس زمانے میں بھی ہر لمحہ رواں دواں ہوتا تھا۔ پارکنگ اس زمانے میں بھی آج کی طرح ایک مسئلہ تھی اور پھر اُسی جگہ پارکنگ۔ یہ ایک امر محال تھا ہاں یہ کام اس قادر و توانا کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ ''مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کشا کے سامنے'' آپ جب واپس اُس جگہ پہنچے تو وہ جگہ خالی تھی۔

☆ جنوری 1971ء میں آپ خاکسار کے گھر دینہ ضلع جہلم میں تشریف لائے اگلے روز علی الصبح آپ نے اسلام آباد میں ایک نہایت اہم میٹنگ میں شرکت کے لئے روانہ ہونا تھا۔ ہم دونوں میاں بیوی بھی آپ کے ساتھ جا رہے تھے شدید سردی کے دن اور صبح کا وقت۔ حضور گھر سے باہر تشریف لائے آپ کے ہاتھ میں آپ کا بریف کیس تھا جس میں آپ کے بہت ضروری کاغذات تھے اُسے ڈگی میں رکھنے کی غرض سے ڈگی کے اوپر رکھا اور ہمارے لئے گاڑی کا

دروازہ کھولنے کے لئے گاڑی کے اندر بیٹھ گئے خیال تھا کہ پہلے ہمیں گاڑی میں بٹھا کر پھر بریف کیس ڈگی میں رکھ لیں گے لیکن کار میں بیٹھے تو بریف کیس ذہن سے نکل گیا۔ گاڑی سٹارٹ کی اور پنڈی کے لئے روانہ ہو گئے۔ ہمیں راولپنڈی چھوڑ کر حضور اپنی میٹنگ کے لئے چلے گئے کوئی تین چار گھنٹے بعد حضور کا فون آیا کہ بریف کیس نہیں مل رہا لگتا ہے دینہ میں ہی کہیں رہ گیا یا کہیں گر گیا ہے۔ میں نے عرض کیا دینہ واپس چلتے ہیں اور دیکھ آتے ہیں۔ حضور نے فرمایا وہ تو میں دیکھ آیا ہوں مگر ملا نہیں۔

واپسی پر حضور ہمیں دینہ چھوڑ کر ربوہ تشریف لے گئے۔ بریف کیس ملنا بہت ضروری تھا کیونکہ اس میں بہت اہم کاغذات تھے۔ خاکسار نے تمام طریقے استعمال کئے ڈھول والے کے ذریعہ شہر میں اعلان بھی کروایا لیکن بے سود اسی فکر اور پریشانی میں کئی دن گزر گئے تو ربوہ سے حضور کا فون آیا ٹیکسلا سے ایک دوکاندار کا خط آیا ہے اس میں لکھا ہے کہ میرا ایک ٹرک ڈرائیور فلاں دن دینہ سے گزر رہا تھا اس کو سڑک پر ایک بریف کیس ملا جو اس نے لا کر مجھے دیا ہے۔ بریف کیس کھولنے پر آپ کا پتہ معلوم ہوا لہٰذا بذریعہ خط آپ کو مطلع کرتا ہوں یہ میرا ایڈریس ہے اپنی امانت آ کر لے جائیں۔

☆ 1981ء میں آپ اندرون سندھ کا دورہ کر کے واپس کراچی جاتے ہوئے جام شورو میں چوہدری عبدالغفور صاحب کے ہاں میٹنگ اور رات کے کھانے کے لئے رُکے۔ یہ سفر آپ کنزی جننگ فیکٹری کی جیپ پر کر رہے تھے اور جیپ واپس لے جانے کے لئے ڈرائیور بھی ساتھ تھا آپ جام شورو سے رات 9 بجے کے قریب روانہ ہوئے اور چوہدری عبدالغفور صاحب کو ہدایت فرمائی کہ خاکسار کو آپ کی کراچی کے لئے روانگی سے مطلع کر دیں۔ چنانچہ چوہدری صاحب موصوف نے فون پر خاکسار کو اطلاع دے دی کہ حضرت میاں صاحب 9 بجے یہاں

سے کراچی کے لئے روانہ ہو گئے ہیں۔ہم نے انتظار شروع کر دیا۔ ہمارے اندازے کے مطابق جس وقت تک آپ کو پہنچ جانا چاہیے تھا آپ تشریف نہ لائے تو فکر ہونے لگی۔ رات کا ایک بج گیا ہم لوگ سخت بے چین اور پریشان تھے بالاخر خاکسار نے نعیم احمد خان صاحب ناظم انصار اللہ ضلع کراچی کو فون پر صورتِ حال سے آگاہ کیا وہ بھی پریشان ہو گئے۔تھوڑی دیر کے بعد اُن کا فون آیا۔ کہ وہ میری طرف آرہے ہیں ہم دونوں مل کر جامشورو جائینگے۔ ابھی میں خانصاحب سے فون پر بات کر رہا تھا کہ دروازہ کھٹکا۔حضور کا بلند آواز سے السلام علیکم کانوں میں پڑا تو میں نے خاں صاحب سے کہہ دیا کہ میاں صاحب تشریف لے آئے ہیں۔الحمدللہ۔

تاخیر کا سبب پوچھا تو یوں گویا ہوئے۔ جام شورو سے جیپ میں نے چلانی شروع کی۔ آپ چونکہ بہت تیز کار چلاتے تھے اور وہ بے چاری پرانی کچے رستوں کی ماری لاغر سی جیپ بھلا آپ کی زور آور ڈرائیونگ کی مار کہاں کھا سکتی تھی۔سڑک خالی تھی اور بڑی بھی اور سوار بھی نہیں شاہسوار تھا۔ ہوا سے باتیں کرتی جیپ کا اگلا پہیہ جو نکلا تو پھر وہ ملا ہی نہیں۔فرمایا اللہ نے فضل فرمایا وہ الٹی نہیں اور میں اس کو روکنے میں کامیاب ہو گیا۔الحمدللہ۔ڈرائیور کو جیپ دے کر آپ بس پر بیٹھے اور کراچی پہنچ گئے۔

☆ ایک مرتبہ حضور اندرون سندھ کے دورہ پر تھے دریائے سندھ کے پُل سے گزرتے ہوئے عین پل کے درمیان گاڑی اچانک بند ہو کر رک گئی۔آپ اکیلے تھے اور جگہ بھی ایسی کہ جہاں کسی قسم کی مدد کا بظاہر کوئی امکان نہ تھا۔ ایسے میں فکرمندی ایک طبعی اَمر تھا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو بھلا پریشان کب دیکھ سکتا ہے عین اس وقت آپ کو ایک آواز سنائی دی۔ السلامُ علیکم میاں صاحب دیکھا تو ایک احمدی دوست جو وہاں سے گزر رہے تھے آپ کو دیکھ کر رک گئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے سلطانِ نصیر مہیا فرما دیا۔

☆ 1971 میں حضور ربوہ سے جہلم خاکسار کے پاس تشریف لائے آپ کو راولپنڈی جانا تھا یہ عاجز بھی ساتھ ہولیا۔ جی ٹی روڈ اُن دنوں بھی خوب چلتی تھی اور گاڑیوں کی ریل پیل ہوتی تھی۔ ہم خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ اچانک گاڑی کا بونٹ کھل گیا جو شاید پہلے ہی صحیح طرح بند نہیں ہوا تھا۔ سامنے کا منظر غائب حضور نے کمال مہارت کے ساتھ گاڑی کو روک لیا اور اللہ تعالیٰ نے حضور کے بابرکت وجود کے صدقے ہمیں ایک خطرناک حادثہ سے بچالیا الحمدللہ۔

☆ ہمارے جہلم کے قیام کے دوران ایک مرتبہ آپ راولپنڈی سے ربوہ واپس جاتے ہوئے ہمارے ہاں رُکے۔ کچھ توقف کے بعد خاکسار کو فرمایا ''مبارک تم نے راولپنڈی کب تک جانا ہے'' خاکسار کا کوئی ایسا پروگرام آئندہ دِنوں میں نہیں تھا۔ لہٰذا عرض کیا کہ سرِ دست کوئی ارادہ نہیں ہے نیز عرض کیا کہ راولپنڈی کا کوئی کام ہے؟ فرمایا نہیں راولپنڈی کا نہیں گوجر خان کا ہے۔ کام کی نوعیت پوچھنے پر فرمایا۔

''میں گوجر خان سے گزر رہا تھا یکدم ایک بچہ میری کار سے ٹکرا گیا خدا تعالیٰ نے فضل فرمایا بچ گیا اور کوئی زیادہ چوٹ بھی نہیں آئی وہ بچہ ایک غریب حجام کا بیٹا ہے جسکی دوکان جی ٹی روڈ پر ہی واقع ہے میں دوائی وغیرہ کیلئے کچھ رقم دے آیا ہوں مگر میرے خیال سے وہ رقم کم ہے۔ تم گوجر خان جا کر اس حجام کو مزید کچھ رقم (دو۔تین صد) میری طرف سے دے آنا''

خاکسار کو کچھ کچھ یاد ہے جب میں آپ کی فرمودہ رقم اُس غریب حجام کو دینے گیا تو وہ ورطہ حیرت میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

آپ کی مسیحائی

دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوئے ہیں جنہیں خداتعالیٰ نے انسانیت کے ایک سے زیادہ آفاق پر روشن ستاروں کی مانند چمکنے کا اعزاز بخشا۔ میرے پیارے حضور بھی اُن نابغہ روزگار ہستیوں میں سے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام نامی اسم گرامی مریم النساء تھا اس لئے آپ ابن مریم تو تھے ہی لیکن سیاحت اور شفاء کی صفات میں بھی مسیح علیہ السلام کے مثیلِ مسیحا تھے۔ جیسا کہ آپ نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے بے انتہا سفر کیا بالکل اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجود میں مسیحائی کی روح پھونک کر بنی نوع انسان پر ایک احسان عظیم فرمایا۔ آپ کا یہ فیضِ مسیحائی آپ کی حیات طیبہ تک محدود نہیں رہا بلکہ آپ کی رحلت کے بعد بھی آبِ حیات کا یہ چشمہ رہتی دُنیا تک مخلوقِ خدا کو تکلیفوں سے نجات دلاتے ہوئے آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنا رہے گا۔

ہومیو پیتھک سے آپ کی دلچسپی کی ایک وجہ یہ بھی بنی کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی یہ شدید خواہش تھی کہ اُن کا بیٹا ڈاکٹر بن کر انسانیت کی خدمت کرے۔ چنانچہ جب آپ کو اپنی ایک تکلیف کے سلسلے میں ہومیو پیتھک کا مطالعہ کرنے کی ضرورت پڑی اور آپ کا اعتقاد اس طرزِ علاج پر پختہ ہو گیا تو پھر آپ نے اس کو بنی نوع انسان کے افادہ عام کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ یہاں اس بات کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں کہ آپ کی یہ مسیحائی کس کس طرح لوگوں پر ابر رحمت بن کر برسی۔ کیونکہ حضور کے ایم ٹی اے پر لیکچرز اور اس مضمون پر آپ کی معرکۃ الآراء کتاب آپ کی اِس عظیم خدمتِ انسانیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ کی اس کتاب اور لیکچروں سے استفادہ کرتے ہوئے جہاں لاکھوں مریضوں نے دنیا کے کونے کونے

میں شفاء پائی وہاں بے شمار لوگوں نے ہومیو پیتھی کو ایک باوقار اور معتبر ذریعہ معاش کے طور پر اپنا کر اپنے اور اپنے عیال کے لئے باعزت روزی کے سامان بھی پیدا کئے۔ قبل از خلافت اور بعد میں بھی صرف آپ ایک ایسے واحد ہومیو پیتھ تھے جنہیں ساری دنیا کے مریضوں کا علاج کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بے شمار احسان فرماتے ہوئے ہمیں بھی حضور کی اَن گنت ذرہ نوازیوں کا وارث بنایا۔ آپ کی مسیحائی کے ذاتی واقعات ذیل میں درج کرتا ہوں۔

فروری 1970 کے آخر میں میری اہلیہ کے ہاں پہلے بچے کی ولادت متوقع تھی۔ خاکسار جہلم میں مقیم تھا۔ جہاں مکرم و محترم ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب مرحوم سول ہسپتال جہلم کے ایم ایس اور سول سرجن تھے اور انہوں نے ازراہِ شفقت ہمارے لئے اپنے ہسپتال میں خصوصی طور پر انتظام کروا دیا۔ اہلیہ صاحبہ کو ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا لیڈی ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ بچے کی پیدائش آپریشن سے متوقع ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے خاکسار کو تسلی دلائی کہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں اگر ضرورت پڑی تو میں خود آپریشن کروں گا۔ خاکسار کو آپریشن کا نام سن کر بہت فکر دامن گیر ہوئی چنانچہ فوراً حضور انور کو ربوہ فون کر کے صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب سے پوچھ کر بتاؤ کہ آیا اتنا وقت ہے کہ میں جہلم آ کر کوئی ہومیو پیتھک دوا دے سکوں۔ ڈاکٹر صاحب نے اجازت دے دی۔ چنانچہ حضور فوری طور پر اپنی بیگم صاحبہ کے ہمراہ جہلم پہنچ گئے اور اپنی دوائی شروع کروا دی۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل اور حضور کی مشفقانہ دعاؤں نے دوا میں اثر پیدا فرما دیا اور آپریشن کے بغیر ہی 28 فروری صبح 3 بجے عزیزم مظفر احمد کی ولادت ہوئی فالحمد للہ علی ذالک۔

خاکسار کے دوسرے بیٹے عزیزم عیسیٰ تیمور کی ولادت 25-5-83 کو کراچی میں ہوئی۔ جب اس کی ولادت کا وقت قریب آیا تو پھر ایک بار وہی صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ چنانچہ

خاکسار نے سیّدی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں ربوہ ٹیلی فون کیا لیکن حضور سے بات نہ ہوسکی۔ رات گئے حضور کو خاکسار کا پیغام ملا تو علی الصبح جبکہ خاکسار بھی ہسپتال میں موجود تھا۔ حضور کا ٹیلی فون اسی ہسپتال میں آ گیا۔ حضور نے خاکسار کو دو دوائیاں بتائیں جن کے لئے خاکسار نے اپنے ایک عزیز کو ٹیلی فون کر دیا۔ وہ دوائیں لینے کے لئے گھر سے نکل گئے لیکن دوائی والی دو کانیں کھلی نہ ہونے کے باعث اُن کو دوائیں تلاش کرتے ہوئے کافی دیر ہوگئی۔ اِدھر میری پریشانی لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ اہلیہ کو آپریشن تھیٹر میں آپریشن کی تیاری کے لئے منتقل کر دیا گیا۔ کہیں 10 بجے کے قریب دوائی پہنچ گئی۔ خاکسار نے لیڈی ڈاکٹر کو بُلا کر درخواست کی کہ اس دوا کے چند قطرے میری بیوی کے منہ میں ٹپکا دو۔ یہ دوا میں اپنی ذمہ داری پر دے رہا ہوں۔ ڈاکٹر بخوشی مان گئی اور کچھ دیر کے بعد باہر آ کر مجھ سے یوں گویا ہوئی It is unblieveable۔ یہ میرے لئے نا قابلِ یقین بات ہے کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ آپ کو مبارک ہو بغیر آپریشن کے بچے کی ولادت ہوگئی ہے۔

ایک بار خاکسار حضور کے ہمراہ ناصر آباد گیا۔ رات کے کھانے میں کوئی ایسی چیز خاکسار نے کھالی جس سے رات کو فوڈ پوائزننگ ہوگئی۔ اور ہیضے کی صورت اختیار کر گئی۔ جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو میں نے حضور کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اپنی کیفیت بیان کی۔ حضور اپنی دوائیوں کا سفری بیگ ہاتھ میں لئے میرے کمرے میں تشریف لے آئے اور مجھے دوائیں دینی شروع کر دیں لیکن تکلیف میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا جب حضور نے یہ محسوس کیا کہ دواؤں سے مرض قابو میں نہیں آ رہا تو حضور کچن میں تشریف لے گئے۔ پانی گرم کر کے گلاس بھرا اور اسمیں ڈھیر سارا نمک ملا دیا۔ گلاس ہاتھ میں لئے واپس کمرے میں تشریف لائے اور فرمایا کہ باتھ روم میں چلے جاؤ۔ اور یہ پورا گلاس ایک سانس میں پی جاؤ۔ تم

اسکے پینے سے انشاءاللہ بچ جاؤ گے۔ یہ ایک مشکل کام تھا لیکن حضور کے ارشاد کے مطابق جوں توں کر کے میں اس کڑوے زہر پانی کو پینے میں کامیاب ہوگیا۔ پانی کا اندر جانا تھا کہ ایک زوردار قے ہوئی جس کے ساتھ ہی ایک سکون محسوس ہونے لگا اور میں آ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ یہ شدید سردی کا موسم تھا میں تکیہ گود میں رکھ کر اسکے سہارے چارپائی پر بیٹھا تھا۔ حضور نے لحاف میرے کندھوں پر ڈالا اور کمرے کی بتی بجھا کر مجھے خدا حافظ کہتے ہوئے بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے کمرے میں تشریف لے گئے چند منٹوں میں مجھے بھی نیند آ گئی اور صبح تک مزے سے سویا رہا۔ الحمدللہ

حضور رحمہ اللہ نے خاکسار کو خود یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضور کی خوشدامن بی بی امتہ السلام صاحبہ بنت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے شدید بیمار پڑ گئیں۔ میو ہسپتال میں داخل کروایا گیا لیکن اُن کی حالت نہ سنبھلی اور کیفیت یہ ہوگئی کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ چنانچہ حضور رحمہ اللہ اپنی ہومیو پیتھک دواؤں والا ڈبہ لے کر وہاں تشریف لے گئے۔ فرماتے ہیں۔ جب میں وہاں پہنچا تو آپا میں زندگی کے آثار مفقود تھے نہ سانس نہ نبض میں نے آپ کے سرہانے بیٹھ کر دعا شروع کر دی اور ساتھ ہی آپ کے منہ میں دوائی کے چند قطرے ڈال دیے اور یہی عمل بار بار دوہراتا رہا۔ دعا کرتا گیا اور دوا دیتا گیا۔ حتیٰ کہ کوئی آدھ گھنٹے کی اس مسلسل کوشش کے بعد آپا جان کے وجود میں ہلکی سے جنبش ہوئی تو امید کی ایک کرن پھوٹی۔ کچھ ہی دیر میں خدا کے فضل سے زندگی کے آثار ظاہر ہونے لگے اور دیکھتے دیکھتے آپا جان کی طبیعت سنبھل گئی۔ الحمدللہ اور مکمل شفایاب ہو کر اپنے گھر واپس ربوہ چلی گئیں اور کئی سال تک صحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی عطا فرمائی۔ الحمدللہ۔

☆☆☆

کھیلوں اور سیر سے آپ کی رغبت

بچپن سے ہی آپ بہت چست اور توانا تھے۔ نیز خدمتِ دین کا جذبہ بھی شروع سے ہی بیدار ہو چکا تھا۔ اور آپ خوب جانتے تھے کہ جس اعلیٰ مقصد کے لئے آپ نے اپنی زندگی وقف کی ہے اسکے حصول کیلئے اچھی صحت کا ہونا ایک لازمی جزو ہے۔ لہٰذا آپ نے ابتدائے جوانی سے ہی کھیلوں اور صبح کی سیر میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔

کبڈی ایک ایسا کھیل ہے جس میں کھلاڑی کو اپنی قوت کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ آپ نے بھی ایک عرصہ کبڈی کھیلی اور اس میدان میں بھی خوب شہرت پائی۔ پھرتیلا بدن اور قدموں کی تیزی آپ کے کھیل کو شائقین کے لئے خصوصی توجہ کا مرکز بنا دیتی جب آپکا منصب آپ کے اس شوق میں حائل ہو گیا تو پھر آپ نے خود کھیلنے کی بجائے کبڈی کی سرپرستی شروع کر دی طاہر کبڈی ٹورنامنٹ کا باقاعدگی سے انعقاد ہوتا اور حضور خود فائنل میچ دیکھنے کے لئے تشریف لے جاتے اور کھیل کے دوران مختلف مواقع پر دلچسپ تبصرے بھی فرمایا کرتے تھے۔

ہجرت کے بعد انگلستان اور جرمنی میں آپ کی خصوصی توجہ کے باعث یہ کھیل یورپی ممالک میں بھی خاصا مقبول ہو گیا۔ اور ان میچوں سے ایم ٹی اے کے ذریعہ دنیا بھر کے شائقین لطف اندوز ہوتے رہے ہیں۔

باسکٹ بال سے بھی حضور کا خصوصی لگاؤ رہا۔ اور ایک عرصہ تک اس کھیل کی سرپرستی بھی فرماتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ ایک بہت عمدہ گھڑ سوار بھی تھے۔ اور بچپن سے ہی گھڑ سواری کا شوق تھا۔ بعد ازاں جب آپ سندھ کی زمینوں کے نگران ہوئے تو ناصر آباد میں ایک اعلیٰ نسل کا گھوڑا پالا۔ اور جب آپ ناصر آباد کے دورہ پر تشریف لے جاتے تو بڑے شوق سے اس پر سواری فرماتے۔

کھیلوں میں بیڈمنٹن بھی آپ کا مرغوب کھیل تھا۔اور ہر میدان میں اعلیٰ ترین مقام حاصل کرنے کی طرح اس کھیل میں بھی آپ نے کمال مہارت حاصل کی۔ایوانِ محمود میں آپ باقاعدگی کے ساتھ بیڈمنٹن کھیلنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔مارچ 1978ء میں سالانہ مقابلوں کی تیاری کے دوران آپ ایوانِ محمود میں بیڈمنٹن کھیلتے ہوئے فرش پر اس طرح سر کے بل گرے کہ شدید چوٹ آئی۔لیکن عزم وہمت کا یہ پیکر بغیر کسی کی مدد کے چوٹ والی جگہ کو ہاتھ سے تھامے سائیکل پر سوار ہوکر گھر پہنچ جاتا ہے آگے کے حالات خود حضور کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے۔

خاکسار کی اہلیہ نے چوٹ لگنے کے بعد صحت کے بارہ میں دریافت کرنے کیلئے خط لکھا جس کے جواب میں حضورِانور نے 8/3/1978 اور 27/3/1978 دوخطوط میں اس واقعہ کی تفصیلات پر یوں روشنی ڈالی.....

خط محررہ 8/3/1978

''اب بفضل تعالیٰ بہت بہتر ہوں اور دفتر آنا شروع کر دیا ہے لیکن ابھی بھی چار پانچ گھنٹے کام سے دماغ بھنا جاتا ہے اور نیند پرسکون نہیں آتی جو رفتہ رفتہ انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیگی۔سنا ہے چوٹ گہری اور سنگین تھی۔ڈاکٹروں نے زبردستی 10 دن لٹائے رکھا۔ ہوا یہ تھا کہ بیڈمنٹن کھیلتے ہوئے تیزی سے الٹے قدموں بھاگتے ہوئے چھلانگ لگا کر چڑیا لینے کی کوشش کی فرش پھسلنے والا تھا۔سیمنٹ کا سلیپ گنجے کے سر کی طرح چکنا ہو چکا تھا۔چھلانگ لگنے کی بجائے دونوں پاؤں زمین سے اس طرح نکلے کہ پاؤں تلے سے

زمین نکل گئی۔ سر پیچھے کی طرف مڑا ہوا تھا لہٰذا آڑھائی من کی بوری کا سارا وزن سر کی چوٹی پر پڑا جو ایک دفعہ زمین سے ٹکرا کر پھر اچھل کر دوبارہ ٹکرایا۔ یہ باتیں مجھے دیکھنے والوں نے بتائی ہیں۔ مجھے تو بہت ہلکا خواب کی طرح صرف اٹھنا یاد ہے کہ اٹھ کر کہہ رہا تھا کہ میں ٹھیک ہوں فکر نہ کریں۔ یہ کہہ کر لڑکوں کے اصرار کے باوجود اکیلا ہی سائیکل پر گھر پہنچا۔ حالانکہ جہاں تک میرے شعور کا تعلق ہے۔ میرے سامنے مکمل اندھیرا تھا۔ خود بخود گھر پہنچا۔ کپڑے بدلے اور بے ہوشی ہی میں دوائیں بھی نکالیں اور بالکل ٹھیک نکالیں۔ بچے میری حرکتوں پر کچھ حیران تو تھے لیکن سمجھتے رہے کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔ وہ تو پیچھے پیچھے جب ڈاکٹر پہنچے اور انہوں نے بتایا کہ میں بالکل بے ہوش ہوں اور حالت اتنی خطرناک ہے کہ ہوسکتا ہے لاہور آپریشن کے لئے جانا پڑے تب جا کر میری طرح بچوں کے بھی ہوش اُڑے۔

مگر الحمدللہ کہ رات 2 بجے تک مجھے مکمل ہوش آ چکی تھی۔ اور سب سے خوشی کی بات یہ ہے کہ میری صحت کی بحالی اتنی تیز اور معجزانہ تھی کہ ڈاکٹرز بھی متعجب تھے۔ خدا کے فضل سے بیماری کا کوئی برا اثر باقی نہیں اور ہر بات مکمل طور پر یاد آ چکی تھی۔''

خط محررہ 27/3/1978

''جس دن مجھے چوٹ لگی تھی اس کے پورے تیس دن کے بعد بیڈمنٹن کا ٹورنامنٹ تھا جس میں بھرپور حصہ لیا۔ کمزوری اور پریکٹس نہ ہونے کے باوجود خدا تعالیٰ نے پردہ پوشی کی اور میں ایک مقابلہ میں سیمی فائنل تک پہنچ گیا۔ اور ایک مقابلہ میں اول آیا۔ لیکن دو دن کے اندر اتنی زیادہ کھیلیں (گیمز) کھیلنی پڑیں (13 عدد) کہ بوٹی بوٹی دُکھ رہی ہے۔ صبح بستر سے اٹھنا بیک وقت مشکل ہے۔ Parts میں اٹھنا پڑتا ہے۔''

انگلستان ہجرت کے بعد مخصوص حالات کے پیشِ نظر ایک بہت بڑا چیلنج آپ کے سامنے تھا۔کام کی زیادتی اور مسلسل محنت اور طویل الاوقات مصروفیات سے پوری تندہی اور بیدار مغزی سے نبرد آزما ہونے کے لئے آپ نے اپنے آپ کو چست اور توانا رکھنے کی غرض سے سیر کا سلسلہ شروع فرمادیا۔آپ نمازِ فجر کے بعد مشن ہاؤس سے کچھ فاصلے پر موجود ایک جنگل میں تشریف لے جاتے اور تیز رفتار کے ساتھ پانچ میل لمبی سیر روزانہ کرتے۔

ہجرت کے کچھ عرصہ بعد آپ اپنے ایک خط (تاریخ لکھنا بھول گئے) میں اپنی سیر کے بارے میں یوں فرماتے ہیں۔

''آج کل تو میں اپنی صحت کا خاص خیال محض ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ حضرت اقدس مسیح موعود کی پیاری جماعت کی امانت کے طور پر رکھ رہا ہوں۔روزانہ صبح نماز کے بعد پانچ میل تیز قدموں کے ساتھ سیر کرنے کے علاوہ گھر پر بھی نصف گھنٹہ ورزش کرتا ہوں اور اللہ کے فضل سے مستعد اور مضبوط ہوں۔الحمدللہ ثم الحمدللہ۔''

آپ ایک اور خط محررہ 28/05/1998 میں اپنی صحت کے بارے میں یوں فرماتے ہیں۔

'' موجودہ حالات کے ردِّعمل میں شدید مقابلے کا آہنی عزم دِل میں پیدا ہو چکا ہے .....شروع شروع میں تو اپنی صحت سے کلیۃً غافل اور بے پرواہ ہو چکا تھا مگر اب گذشتہ چند ماہ سے اس نیّت سے محنت اور کسرت کر رہا ہوں کہ جسم میں مقابلہ کی طاقت ہو تو جہاد ہو سکتا ہے۔''

آپ کی سیر آپ کی زندگی کے آخری دنوں تک جاری رہی۔ہاں صحت جب پانچ میل روزانہ سیر کی اجازت نہ دیتی تو آپ مشن ہاؤس کے اردگرد چکر لگا لیتے اور پھر آخری دنوں میں

صحت مزید خراب ہونے پر مشن ہاؤس کے اندر ہی سیر فرماتے۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ آپ اپنے اعلیٰ مقاصد کے حصول کی خاطر اپنی صحت کا خیال رکھتے تھے لہٰذا آپ کار کی نسبت سائیکل کے استعمال کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ قبل از خلافت احمد نگر۔ دفتر اور ربوہ کے دور دراز علاقوں کیلئے سائیکل ہی استعمال فرمایا کرتے۔ کار بحالتِ مجبوری ہی استعمال کرتے، احمد نگر فارم آپ کے گھر سے دو میل کی مسافت پر ہے اکثر سائیکل پر عزیزم بشیر احمد (خادم حضور) کو بٹھا کر جاتے واپسی پر دودھ والا برتن اور موسمی پھل/سبزی کا تھیلا بھی ہمراہ ہوتا۔ ایک مرتبہ خاکسار نے عرض کیا کہ آپ کار کے ہوتے ہوئے سائیکل کیوں استعمال کرتے ہیں؟ جواب میں فرمایا! ربوہ میں کار چلانے سے گرد اُڑتی ہے جو یہاں کے مکینوں پر پڑتی ہے وہ مجھے برداشت نہیں۔

مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد مقامِ خلافت کے مطابق آپ نے اپنے معمولات کو بھی بدلا۔ قبل از ہجرت آپ دو مرتبہ کراچی تشریف لائے جہاں آپ کا قیام جماعت کے گیسٹ ہاؤس میں ہوتا۔ بعد نمازِ فجر خاکسار کو رکنے کا ارشاد ہوا کرتا آپ نماز کے بعد سیر کرنے کیلئے تیار ہو کر دوبارہ تشریف لاتے اور خاکسار کے ہمراہ تیز قدموں کے ساتھ گیسٹ ہاؤس کے لان میں ہی سیر کر لیا کرتے۔

کراچی میں قیام کے دوران ایک مرتبہ خاکسار کو فرمایا کہ کل صبح سات آٹھ بجے امتہ الجمیل اور بچوں کے ہمراہ آجاؤ ساحلِ سمندر (Sea View) پر جانا ہے اُس وقت وہاں کوئی نہیں ہوتا چہل قدمی بھی کر لیں گے اور جیپ بھی چلاؤں گا مگر کسی کو بتانا نہیں! آپ کا یہ حکم سن کر میرے اوسان خطا ہو گئے کہ یہ عاجز کیسے اکیلے خلیفۃ المسیح کی حفاظت کا متحمل ہو سکتا ہے۔ اپنی ساری ہمت اکٹھی کرتے ہوئے عرض کیا کہ مکرم امیر صاحب کی اجازت کے بغیر

حضور کو کہیں لے کر جانے کا مجاز نہیں ہوں۔ آپ نے میری کیفیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فرمایا ٹھیک ہے امیر صاحب سے اجازت لے لو۔

خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فوراً امیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور کے پروگرام کے بارے میں بتایا۔ مکرم امیر صاحب نے حضور رحمہ اللہ کی خواہش کے احترام میں اجازت دے دی اور فرمایا کہ وہ ایک وین میں حفاظت کا عملہ وہاں بھیج دیں گے جو اپنی وین اس طرح پارک کریں گے کہ حضور ان کو نہ دیکھ سکیں لیکن وہ لوگ حضور کو دیکھتے رہیں گے۔

اگلے دن حسبِ ارشاد ہم لوگ حضور رحمہ اللہ کے ہمراہ ساحلِ سمندر پر وقتِ مقررہ پر پہنچ گئے جہاں حضور نے چہل قدمی بھی فرمائی اور خوب جیپ بھی چلائی۔ واپسی کا حکم ملنے پر حضور کے ہمراہ ساحلِ سمندر سے روانہ ہوئے لیکن سڑک پر پہنچنے سے پہلے خاکسار سے جیپ ریت میں پھنس گئی جسے حضور نے ہی نکالا۔ اور خاکسار بخیریت حضور کو لیکر واپس گیسٹ ہاؤس پہنچ گیا۔ الحمدُ للہ۔

☆☆☆

﴿ ناصر آباد سندھ آپ کا مسکنِ ثانی ﴾

بے شمار جماعتی مصروفیات کے باوجود آپ انتخاب خلافت تک زمینداری کے ساتھ بھی منسلک رہے۔ ایک لمبا عرصہ قبل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سندھ میں ضلع تھرپارکر اور اردگرد کے دیگر مقامات پر جماعت کے لئے وسیع و عریض زرعی زمینیں خرید فرمائیں اور ساتھ ہی اپنے بیٹوں اور خاندان کے دیگر افراد کے لئے بھی ایک وسیع رقبہ خریدا۔ اس ساری زمین کے انتظام و انصرام کی غرض سے اس رقبہ کو مختلف Estates میں تقسیم فرمایا جن میں سے چند کے نام جو خاکسار کو یاد ہیں وہ یہ ہیں۔ ناصر آباد، محمود آباد، بشیر آباد، وسیم آباد، محمد آباد وغیرہ اِن Estates میں سے بعض مخصوص زمینوں کی دیکھ بھال حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کے سپرد تھی۔ ناصر آباد وہ مبارک Estate ہے۔ جہاں حضور رحمہ اللہ ایک طویل عرصہ تک تشریف لے جاتے رہے۔ اس مقام کو حضور رحمہ اللہ کا ہیڈ کوارٹر بھی کہا جاتا ہے۔ جہاں رہائش اور دیگر سہولیات زندگی میسر تھیں۔ جس طرح ربوہ میں رہنا آپ کے لئے باعث سکون تھا اسی طرح سندھ میں کچھ ایسا ہی آرام و سکون آپ کو ناصر آباد میں رہ کر ملتا۔ یہ ناممکن تھا کہ آپ سندھ کے کسی علاقے کا دورہ کریں اور ناصر آباد نہ جائیں۔ خاکسار اور میرے اہل خانہ کو متعدد بار ناصر آباد کے دورہ میں حضور رحمہ اللہ کی رفاقت کا شرف عطا ہوا۔

ناصر آباد ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کی آبادی اُس وقت بمشکل چند سو نفوس پر مشتمل ہوگی جن میں سے اکثریت Estates پر کام آنے والے جماعتی ملازمین کی تھی۔ حضور رحمہ اللہ کے مسلسل دوروں اور آپ کی شفیق و مہربان شخصیت کے سبب اِن لوگوں کو حضور رحمہ اللہ کے ساتھ بہت گہرا تعلق پیدا ہو چکا تھا۔ بڑے تو بڑے بچے بھی حضور رحمہ اللہ کے گرویدہ تھے اور

حضور رحمہ اللہ کو بھی اُن لوگوں سے اس قدر محبت تھی کہ ہر دورہ پر ٹافیوں کا بھرا تھیلا حضور رحمہ اللہ کے ہمراہ ہوتا اور نماز عصر کے بعد بچوں کا ایک ہجوم حضور کی قیام گاہ کے باہر لان میں جمع ہو جاتا جہاں حضور ایک ایک کا حال پوچھ کر پیار فرماتے اور ٹافیاں تقسیم کرتے۔ اس بستی کے ہر خاندان بلکہ ہر فرد کے ساتھ حضور کے ذاتی مراسم اور ایک قلبی تعلق تھا جو تمام دنیاوی رشتوں سے الگ اور نرالا تھا۔

خلافت کے بعد اور ہجرت سے قبل حضور کا پاکستان میں قیام تقریباً 2 سال کا ہے۔ اس مختصر عرصہ میں آپ دو بار کراچی تشریف لائے اور دونوں مرتبہ ناصر آباد کا دورہ آپ کے پروگرام کا حصہ تھا۔ سندھ کی جماعتی Estates میں یہ رواج تھا کہ جب خلیفۃ المسیح وہاں دورہ فرماتے تو ایک عید کا سماں بندھ جاتا۔ حضور کی تشریف آوری سے قبل گھر، گلیاں، کھیت، کھلیان سب سنوار سنوار کر ایک غریب دلہن کی طرح سادگی سے سجا دیئے جاتے رستوں کو ہموار کیا جاتا۔ اور اپنی غریبانہ بساط کے مطابق جو تیاری ممکن ہوتی کی جاتی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا پہلا دورہ ناصر آباد ایک خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ کیونکہ خلافت سے قبل ہی وہاں کے باسیوں کے دل و دماغ پر آپ کی شفقت اور مہربانیوں کے اَن گنت نقوش رقم تھے۔ جب خلیفۃ المسیح کی حیثیت میں وہاں تشریف لے گئے تو وہاں کا ہر مکین آپ کے ساتھ ذاتی تعلق کی بنا پر دوہرے جذبات سے سرشار تھا۔ ان کا محبوب اب اُن کے دل و جان سے عزیز آقا کے روپ میں ان کے ہاں رونق افروز ہو رہا تھا۔ اسلئے اس بار تیاریوں کے رنگ بھی نرالے تھے اور استقبال کے پروگرام بھی۔

گاؤں کے گلی کوچوں کے علاوہ راستوں کو بھی خوش رنگ پھولوں، جھنڈیوں اور آرائشی محرابوں سے سجایا گیا تھا۔ ناصر آباد جانے والی نہر کی پٹڑی پر کئی میل تک سفید پگڑیوں اور ایک

مسکنِ ثانی ناصر آباد سندھ، فصلوں کا معائنہ فرماتے ہوئے

جیسے صاف ستھرے لباسوں میں ملبوس گھڑ سوار پٹڑی کے دونوں جانب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھڑے حضور کا استقبال کر رہے تھے۔

اس بستی کی حسین یادیں زندگی کے آخری ایام تک حضور کے دل میں پھولوں کی طرح کھلتی رہیں ہجرت کے بعد لندن سے خاکسار کے نام ایک خط میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

خط محررہ 8/10/1984

''وہ دن تو کبھی واپس نہیں آسکتے لیکن اُن دنوں کے سائے تو بہر حال لوٹ سکتے ہیں اور انشاء اللہ ضرور لوٹیں گے۔ تیاری رکھیں۔ شاید بلکہ غالباً آئندہ گرمیوں کے آغاز میں یا آخر پر انشاء اللہ ناصر آباد چلیں گے۔''

☆☆☆

چھوٹے بچوں سے محبت

حضور رحمہ اللہ کو بچوں سے از حد محبت تھی اور خصوصاً بھولے بھالے بچے تو آپ کے لئے تسکین روح کا سامان تھے۔ جس طرح حضور نے اپنے بچوں سے ٹوٹ کر پیار کیا اسی طرح ہمارے بچوں کے ساتھ بھی بہت محبت اور شفقت فرمائی۔ اور ہمیں تحریر کردہ خطوط میں شاید ہی کوئی خط ایسا ہو جس میں بچوں کا ذکر اور اُن سے شفقت کی جھلک دکھائی نہ دے۔ بچوں کے ساتھ حضور کی محبت اور لطف اندوز ہونے کے بے شمار انداز اور واقعات ایم ٹی اے کے ناظرین بچوں کے ساتھ حضور کے پروگراموں میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

خاکسار کی بیٹی عزیزہ اوما کو پیارے حضور کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور محبت تھی اس کی وجہ دراصل پیارے حضور کی وہ لازوال محبت تھی جو وہ بھولے بھالے بچوں کے ساتھ طبعی طور پر رکھتے تھے۔ اس لئے عزیزہ اوما کے ساتھ حضور نے بہت لاڈ کئے اور بہت محبت سے ساری زندگی اس کے بچپن کی معصوم شرارتوں سے نہ صرف خود لطف اندوز ہوتے رہے بلکہ اُن کا بار بار اپنی باتوں اور خطوں میں ذکر فرما کر ہمارا دل بھی بہلاتے تھے۔ جس بات کو حضور نے بہت زیادہ یاد رکھا اور تکرار کے ساتھ ذکر فرمایا وہ عزیزہ اوما کی ایک محبت بھری معصومانہ ادا تھی جو حضور کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ جب حضور ہمارے ہاں تشریف لاتے تو حضور آرام کے لئے بستر پر لیٹ جاتے ناشتے پر بلانے کیلئے اوما چپکے سے دبے پاؤں جا کر حضور کے کان پر بوسہ دیتی اور پھر پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو جاتی حضور انور اس کی اس معصوم ادا سے لطف اندوز ہوتے اور اس کا دل لبھانے کے لئے یوں ظاہر فرماتے جیسے کسی مچھر نے کاٹ لیا ہو اوما یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتی اور کہتی ماموں میں ہوں مچھر نہیں ہے! پیار اور شفقت کے اس کھیل کا ذکر حضور انور قریباً ساری زندگی اپنے خطوط میں اور زبانی بھی فرماتے رہے۔

خط محررہ 21/5/1979

''میرا تو وقت اتنی مصروفیت میں کٹ رہا ہے کہ تم اندازہ نہیں کر سکتیں۔ رات 12 بجے سو کر صبح 3:30 (ساڑھے تین) بجے اٹھتا ہوں۔ اور دوپہر کو تقریباً ایک گھنٹہ دوبارہ آرام کر لیتا ہوں اس کے سوا باقی تمام وقت مشین کی طرح کٹ رہا ہے ہاں کبھی کبھی ہفتہ میں دو یا کبھی تین روز شام کو تفریح کا موقع مل جاتا ہے۔ مونا، طوبیٰ کو کبھی موٹر پر اور کبھی سائیکل پر بٹھا کر احمد نگر لے جاتا ہوں۔ جہاں ہم تالاب میں تیرتے ہیں اور کھیلتے ہیں۔ طوبیٰ بہت پیارے انداز میں تیرتی ہے اس کی تیرنے کی ادائیں اور چھلانگیں دیکھ کر ساری تھکن اور کوفت دور ہو کر طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔''

خط محررہ 10/10/1979

''تمہیں یہ خبر سن کر دُکھ ہوگا کہ میری معصوم طوبیٰ جانی کی ایڑی سائیکل میں آ کر بُری طرح کٹ گئی تھی۔ ایک رات تو اس کے سرہانے بیٹھ کر سخت بے تابی میں کاٹی۔ اس کے پاؤں کا دُکھ لگتا تھا کہ میرے دل میں ہو رہا ہے۔ دو تین دن کافی بخار اور شدید سر درد میں مبتلا رہی اَب الحمدللہ کہ بہتر ہے۔ آج رات مجھ سے کچھ سکون کے ساتھ باتیں کرتی رہی اور میرا ہاتھ، ہاتھ میں لے کر سوئی۔ اب امید ہے کہ ایک دو دن میں انشاءاللہ تعالیٰ بالکل ٹھیک ہو جائیگی۔ لیکن اِدھر اس کی فکر دور ہو رہی ہے اِدھر شوکی کی شروع ہو گئی ہے۔ رات اُسے دمہ کا شدید حملہ ہوا جس سے مجھے سخت بے چینی ہوئی اس کے لئے بہت دعا کر رہا ہوں تم بھی دعا کرو۔ اس مرتبہ خدا کے فضل سے کافی لمبا عرصہ اَمن رہا تھا۔ خدا کرے یہ حملہ جلد سر سے نکل جائے اور وہ پہلے کی طرح ہشاش بشاش دوڑتی پھرے صابرا تنی ہے کہ اپنی تکلیف بتاتی بھی نہیں۔''

خط محررہ 5/3/1980

خاکسار کی بیٹی اوما بعمر 5 سال کا ذکر ایک بار یوں فرمایا۔

''یہ خط عزیزہ اوما سلمہا کا شکریہ ادا کرنے کی غرض سے لکھ رہا ہوں جس کی رقابت کی برکت سے میری طوبیٰ آج پہلے دن سکول گئی ہے۔ صاف انکار تھا کہ کسی قیمت پر نہیں جاؤنگی۔ لیکن میں نے کراچی سے واپسی پر اوما جی کے علم وفضل کے قصے سنائے اور اس کی تہذیب وتمدن اور شائستگی کی باتیں کیں تو طوبیٰ کے چھوٹے سے دل میں رقابت کا شعلہ بھڑک اٹھا اور آخر مان ہی گئی کہ سکول جاؤنگی۔ آج پہلے دن میں خود پہنچانے گیا تھا۔ ویسے بھی بارش کی وجہ سے کار پر چھوڑنے جانا تھا۔''

خط محررہ 15/3/1980

''آصفہ (بیگم صاحبہ) تین دن سے لاہور ہے آج آئے گی۔ مونا، طوبیٰ کو میں سنبھال رہا ہوں۔ طوبیٰ اَب ماشاءاللہ کافی سلجھ گئی ہے۔ ذرا تنگ نہیں کرتی۔ اوما کو بھی بتادو، روتی تو بالکل ہی نہیں۔ بلکہ میں سوچتا ہوں کہ اگر طوبیٰ رونا بھول ہی گئی تو چند دن کے لئے اوما صاحبہ کو تکلیف دینی پڑے گی کہ میرے خرچ پر یہاں تشریف لا کر طوبیٰ کو کبھی کبھی رونا سکھادے۔ اوما کی پیاری پیاری باتیں کبھی یاد آتی ہیں تو شوکی، فائزہ کو بھی سناتا ہوں اور ہمیں سخت مزہ آتا ہے۔''

خط محررہ 29/7/1980

رمضان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''طوبیٰ بھی صبح فریج میں روزہ رکھ آتی ہے دوپہر کو نکال کر کھول لیتی ہے اور پھر دوپہر کو رکھتی ہے تو شام کو کھول لیتی ہے۔ روزانہ دو تین یا چار روزے رکھ رہی ہے۔''

خط محررہ 11/5/1981

کراچی سے بذریعہ ٹرین ربوہ تشریف لانے کے بعد ایک خط میں تحریر فرمایا۔

''اوما جانی کی پیاری پیاری باتیں اور شدید حماقتوں کے ساتھ عقل کی حیرت انگیز آمیزش نے راستے کی بوریت کم کرنے میں بہت مدد دی۔ آخری ہاتھ جو مجھے رخصت کرتے ہوئے ہلا تو وہ اوما کا چھوٹا سا ہاتھ تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اُسے مچھر کاٹ جائیں۔''

خط محررہ 15/6/1981

''اوما کی باتوں سے تم نے خط میں جان ڈال دی ہے اوما والا حصہ میں نے پڑھا بھی اُسی طرح جس طرح اوما بولتی ہے۔ سن لیتی تو کچھ دیر ہنستی رہتی پھر ناراض ہو جاتی کہ ماموں ماذق (مذاق) کر رہے ہیں۔ شوکی جان تو یہاں ہے نہیں ورنہ اوما کی باتوں سے لطف اندوز ہوتی۔ ویسے میں نے شوکی کو اوما اور طوبیٰ کی باتیں لکھ دی ہیں۔ طوبیٰ اور مونا اوما کے خط سے بہت ایکسائیٹ ہوگئی ہیں۔ کل سے جواب لکھنے کا پروگرام بنا رہی ہیں۔ شاید کل تک کچھ کامیابی نصیب ہو۔''

خط محررہ 25/6/1981

''اوما کا خط اتنا مزیدار تھا کہ کل سے مونا طوبیٰ گلے لگائے لگائے پھرتی ہیں۔ رات بادل آئے ہوئے تھے سخت گرمی کے بعد پُر بہار موسم ہمیں باہر کھینچ لایا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی میں اور طوبیٰ آرام والی کرسیوں پر لیٹے ہوئے تھے رات تقریباً 12 بجے طوبیٰ اچانک ٹارچ لے کر اٹھی اور صحن میں کچھ تلاش کرنے لگی بالآخر کاغذ کا ایک بھیگا ہوا

ورقہ مٹھی میں بھینچے ہوئے واپس آ گئی۔ پوچھا کہ یہ کیا تھا تو ایک آہ بھر کر کہا کہ یہ اوما کا خط تھا۔ جو میں شاید باہر لے آئی تھی مگر ہوا سے اڑ گیا۔''

خط محرر 01-04-1982

''تم سب مجھے اتنا پیار دیتے ہو کہ بتا نہیں سکتا اس میں بھی میں سمجھتا ہوں اوما جی کا ہی قصور ہے مہمانوں سے پیار کرنے کی رسم تم لوگوں نے اوما بیٹی سے سیکھی ہے۔ ورنہ جب تک اس نے ہوش نہیں سنبھالا تھا اس وقت تک تم سب بھی وہی تھے اور میں بھی وہی۔ پس ثابت ہوا کہ اوما تمہارے گھر میں پیار کی شہزادی بن کر فلک سے اتری ہے۔ ویسے شہزادی ہے چھوئی موئی ذرا سی بات پر رونا آ جاتا ہے۔ بھوک اور پیاس تو برداشت ہی نہیں اس شہزادی کو۔ پہلے تو ''ماذق'' (مذاق) میں رویا کرتی تھی اب ماذق بھی چھوڑ دیا میں سمجھتا ہوں اپنی اس ادا میں اپنی امی پر گئی ہے۔''

سوال و جواب کی مجلس کے بعد واپسی کے بارے میں فرماتے ہیں

خط محررہ 03-04-1982

''..... سارا دن بول بول کر سر پہلے ہی بھاری تھا ..... اور سر درد شروع ہو گئی اس وقت تمہیں کیا بتاؤں کہ مجھے اوما جی کتنا یاد آئیں۔ سندھ سے واپسی پر جب میں نے کہا میرا سر دکھ رہا ہے تو اپنے پیارے پیارے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے مجھے اس نے دبانا شروع کیا اتنا آرام ملا کہ میں بتا نہیں سکتا۔ سخت پیاری چیز ہے۔''

خط محررہ 5/4/1982 عزیزہ اوما کے نام

''تم نے تو ایسا پیارا خط لکھا کہ حد کر دی۔ لیکن مچھروں کی یاد دلا کر تکلیف بھی بہت دی۔ میٹھی میٹھی تکلیف جو ہلکی آنچ پر بھونتی رہے نہ جلائے نہ ٹھنڈا ہونے دے۔ مجھے تو

یقین نہیں آتا کہ اس چھوٹی سی عمر میں تم اتنا مزیدار خط لکھ لوگی۔ ضرور کوئی بات ہے۔ شاید خلافِ توقع پاس ہونے کی وجہ سے دماغ پر اثر ہے۔

ویسے تو تم ذرا بھی شریر نہیں لیکن خط میں تم نے یہ اچھی شرارت کی کہ لفافے میں کچھ مچھر بھی بند کر کے بھیج دیئے۔ اگر زندہ ہوتے تو دیر کے ترسے پھڑ کے مجھے جگہ جگہ کاٹتے اور پھر تم خوب ہنستیں اور مجھے چھیڑتیں کہ مچھر نہیں تھے میں تھی۔ کبھی کہتی میں نہیں تھی مچھر تھے۔ تمہارا تو ہمیشہ یہ حال رہا ہے کبھی کہتی ہو ماذق کر رہی ہوں کبھی کہتی ہو ماذق نہیں کر رہی۔ نہ تمہارے مچھروں کا پتہ چلتا ہے نہ ماذقوں کا کہ اصلی کون سا ہے اور نقلی کون سا۔''

خط محررہ 17-04-1982

''..... دوسرا شکوہ اپنی اوما بیٹی سے ہے وہ جب چاہے ہم سے ''ماذق'' کرے اور ہم ''ماذق'' کریں تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے یہ بھی کوئی انصاف ہے کیا ''شارف'' (شریف) اسی طرح ہی کیا کرتے ہیں میں نے اتنے پیار سے اسے ''ماذق ماذق'' میں صبر کی تلقین کی تھی لیکن اس نے اسی وقت دھاڑیں مار مار کر جو صبر کے پرخچے اڑائے تو میں نے کہا بابا میری توبہ ہو نہ ہو یہ اپنی امی کی بیٹی ہے وہ بھی چھوٹے ہوتے اسی طرح اچانک بغیر نوٹس کے رو پڑا کرتی تھی.....''

خط محررہ 17-05-1982

''..... اوما نے فون پر بتایا کہ تم لوگ رات (ساحل سمندر) پر گئے ہوئے تھے اوما جی نے خوب مزے کئے اور لہروں میں دوڑتی پھریں۔

سخت مزیدار بیٹی ہے اللہ تعالیٰ نیک بخت اور نیک انجام کرے اور چشم بد سے محفوظ رکھے مجھے تو اوما سخت مزیدار لگتی ہے دل چاہتا ہے کھا جاؤں.....''

خط محررہ 20/05/1982

"..... یقین نہیں آتا یہ خط تمھارے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور تم اتنے اچھے خط لکھ سکتی ہو خصوصاً اوماجی کی پیاری باتیں تو اتنی مزیدار ہوتی ہیں کہ مزا آ جاتا ہے۔ تمھیں پتہ ہی ہے کہ بچوں سے مجھے کتنا پیار ہے۔ کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا کہ کتنا ہے۔ کتنا تھکا ہارا ہوں چند منٹ بچوں کے ساتھ پیار کے مل جائیں اور ان سے بھولی بھولی، میٹھی میٹھی، مدھم مدھم باتیں کرنے کا موقع مل جائے اور ان کی معصوم بے لوث، بے ریا، سچی اور محض سچی باتیں سننے کی سعادت نصیب ہو جائے تو پتہ ہے کہ کیا لگتا ہے؟ جیسے صدیوں کی تھکاوٹ دور ہو گئی ہو۔....."

خط محررہ 1/05/1986

"پیاری اوما بیٹی السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط مجھے اتنا پیارا لگا کہ بتا نہیں سکتا۔ پھر اتنا پیارا نہیں جتنی تم ہو۔

بی جان (مظفر) کون ہوتے ہیں تمہیں چڑانے والے اور ابا کون ہوتے ہیں تمہارا حق مارنے والے۔ لنڈن آنے کا تمہارا حق نہیں بنتا تو پھر تمہارے ابا کا بنتا ہے؟ تمہیں اس دفعہ پاکستان چھوڑ آئیں تو سہی ایسی خبر لوں گا کہ یاد رکھیں گے۔

میرے اداس دل پر تمہارے معصوم خط نے ایک تسکین کا چھینٹا ڈالا ہے جزاکم اللہ احسن الجزا۔ مونا طوبیٰ بہت محبت بھرا اسلام کہتی ہیں میری ہی نہیں اُن کی بھی تم لاڈلی ہو۔ سب کو سلام اور پیار

اچھا خدا حافظ

والسلام

مرزا طاہر احمد"

عزیزان بکی۔طوبیٰ اور اوما۔آقا کے ہمراہ

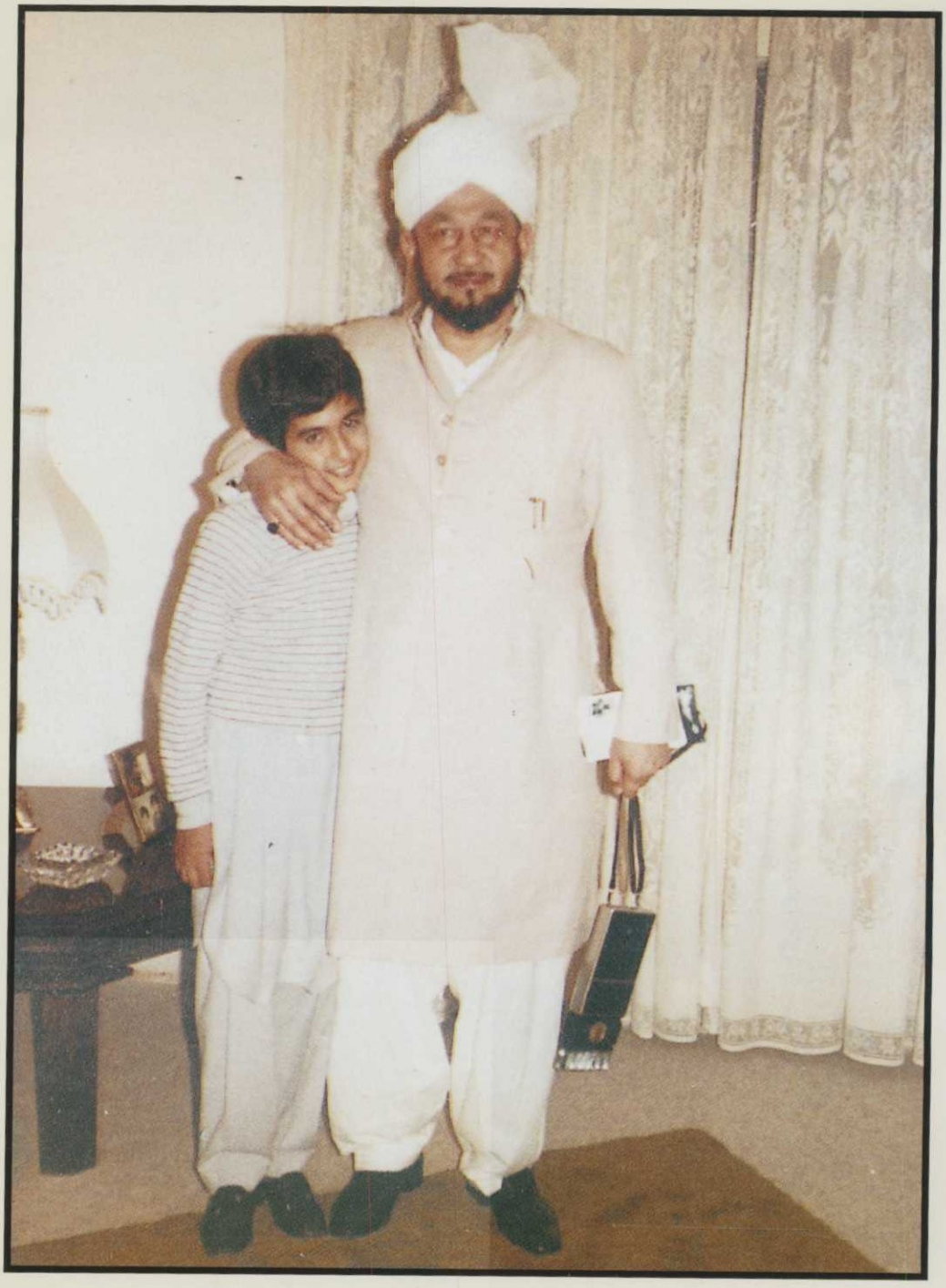

خوش بختی کے لمحات عزیز مظفر احمد بکی آقا کے ساتھ

قبل از خلافت کراچی سے ربوہ کا آخری سفر

1982ء کے اوائل میں یہ عاجز کراچی میں مقیم تھا۔ آپ نے خاکسار کو مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے لئے ایک سیکنڈ ہینڈ جیپ خریدنے کا ارشاد فرمایا۔ تعمیل ارشاد میں اس عاجز نے جیپ خرید کر حضور کو اطلاع کر دی فرمایا کہ شاہ جی (ڈرائیور انصار اللہ) کو بھجوا کر جیپ ربوہ منگوالیں گے۔ اپریل کے آخر میں حضور کراچی اور اندرون سندھ کے دورے کی غرض سے کراچی تشریف لے آئے۔ چند دن ہمارے ہاں قیام فرمایا اور چند روز ناصر آباد سندھ میں گزار کر جب واپس کراچی تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ جیپ میں خود ربوہ لے جاتا ہوں۔ اور اس ناچیز سے فرمایا کہ ساتھ چلوں اور واپس بذریعہ جہاز بھیجنے کی پیشکش بھی کی۔ لیکن اپنی اس بے تکلفی کے باعث جو قبل از خلافت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب سے تھی میں نے کاروباری مصروفیت کا عذر کر کے معذرت کرنا چاہی مگر حضور کے اصرار اور مسلسل اصرار نے مجھے آپ کے ساتھ یہ سفر کرنے پر مجبور کر دیا۔ ہماری اس بحث و تمحیص میں خاکسار کی اہلیہ نے حضور کا ساتھ دیتے ہوئے جب یہ نکتہ اٹھایا کہ حضور کا اکیلے اتنا لمبا سفر کرنا ٹھیک نہیں تو میں نے ہتھیار ڈال دیئے لیکن اپنی مذکورہ بالا بے تکلفی کے باعث حضور سے یہ شرط منوانے میں کامیاب ہو گیا کہ کراچی سے صادق آباد تک جیپ میں چلاؤں گا۔ اگرچہ یہ ایک بڑی مشکل شرط تھی تاہم حضور نے اس عاجز کی دلجوئی فرماتے ہوئے منظور فرمالی۔ اور ہم اگلے روز علی الصبح جیپ لے کر عازمِ سفر ہوئے۔ سفر کو شروع ہوئے بمشکل دو گھنٹے ہوئے تھے کہ جیپ کے اگلے حصہ میں سے دھواں نکلنے لگا۔ جانچ پڑتال بہت کی مگر معلوم نہ ہو سکا کہ یہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے۔

سفر جاری رہا 12 بجے دن کے قریب ہم روہڑی سے گزر رہے تھے کہ اچانک حضور کی

نگاہ لب سڑک پڑے تربوزوں کے ڈھیر پر ٹھہر گئی۔ مجھے رکنے کا ارشاد فرمایا۔ گاڑی رُکی تو فرماتے لگے آؤ تمہیں تربوز کھلاؤں۔ دو تربوز خریدے ایک اپنے لئے دوسرا میرے لئے اور پھر تربوز کو ہاتھ میں لیکر کہنے لگے دیکھو ہم زمیندار لوگ تربوز کس طرح کھاتے ہیں ساتھ ہی ایک مُکا مارا اور تربوز دولخت ہو گیا۔ مئی میں گرمی شروع ہو چکی تھی۔ تربوز کھا کر خاکسار کی طبیعت میں کچھ سستی اور بوجھل پن محسوس ہوا تو معاہدہ کے مطابق صادق آباد تک گاڑی چلانے سے معذرت کرتے ہوئے چابی حضور کے ہاتھ میں تھمائی اور عرض کیا کہ ''میری بس'' پھر کیا تھا گاڑی سرپٹ دوڑنے لگی۔

حضور سفر کے دوران زیادہ رکنا پسند نہیں کرتے تھے اور دو اڑھائی سو میل سفر طے کر کے ہی دم لیا کرتے۔ لہٰذا ہم چار بجے تک بہاولپور کے قریب جا پہنچے۔ ایک ڈرائیور ہوٹل سے کھانا کھایا اور چائے پی کر نمازیں ادا کیں۔ ایک موٹر مکینک کی چھوٹی سے دکان نظر آئی تو احتیاطاً جیپ سے نکلنے والے دھوئیں کا سبب جاننے کی غرض سے الیکٹریشن کو چیک کروایا تو اس نے یہ مژدہ سنایا کہ ہیڈ لائٹس کی تاریں جل گئی ہیں لہٰذا لائٹیں جلنے سے قاصر ہیں۔ وقت کی قلت اور رات کی آمد کے مدِ نظر اُس سعید روح الیکٹریشن نے عارضی تاریں لگا کر مسئلہ قدرے حل کر دیا اور ایک push button گاڑی کے ڈیش بورڈ پر آویزاں کر کے مجھے اس کا طریقِ استعمال سمجھانے لگا تاکہ حسبِ ضرورت روشنیاں تیز یا کم کی جا سکیں۔

یہ اُن دنوں کی بات ہے جبکہ بہاولپور کے قریب ہائی وے زیرِ تعمیر تھی اور یکطرفہ ٹریفک کا نظام رائج تھا۔ جب ایک طرف سے گاڑیوں کا قافلہ گزر جاتا تو آخری گاڑی کے ہمراہ ایک سبز جھنڈی روانہ کی جاتی جو دوسری جانب رُکے گاڑیوں کے قافلے کو گزرنے کا اشارہ دیتی تھی۔ یہ ایک اذیت ناک مرحلہ تھا اور حضور اپنے گزشتہ سفر میں اسکا تجربہ فرما چکے تھے۔ لہٰذا ڈرائیور

ہوٹل سے روانگی کے وقت حضور نے ایک ٹرک ڈرائیور سے معلوم کیا کہ کیا کوئی متبادل راہ ایسی ہے کہ ہم اُس جھنڈی والے جھنجٹ سے بچ جائیں۔ اس نے کہا ہاں جی تھوڑا آگے جائیں تو ایک سنگل روڈ دائیں طرف مڑتی ہے وہ سیدھی احمد پور شرقیہ جاتی ہے۔ اگر آپ اس طرف سے جائیں تو جھنڈی والی جگہ گزرنے کے بعد دوبارہ ہائی وے مل جائیگی۔

خاکسار نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہائی وے سے جانا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ارشاد ہوا یہ ٹرک ڈرائیور چونکہ روزانہ سفر کرتے ہیں اس لئے ان کی معلومات ٹھیک ہوتی ہیں لہٰذا اُسی پروگرام پر عمل ہوا اور ہم ہائی وے چھوڑ احمد پور شرقیہ والی سڑک پر ہولئے۔ خاکسار کی یاداشت کے مطابق یہ سڑک 70/60 میل لمبی تھی۔ کوئی 20/15 میل چلنے کے بعد معلوم ہوا کہ کچھ دیر پہلے اس علاقے میں شدید آندھی آئی تھی جس نے بجلی کا سارا نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا اور بارش بھی ہوئی تھی موسم کی اس تبدیلی کے باعث وقت سے پہلے اندھیرا چھا گیا نیز موسم میں اچانک خنکی اور ٹھنڈک کا خوشگوار احساس بھی پیدا ہو گیا۔ خاکسار کو ہیڈ لائٹس operate کرنے کی ذمہ داری سونپ کر حضور نے گاڑی تیز رفتاری سے چلانی شروع کی۔ لیکن full beam پر چند سیکنڈ میں ہی push button شدید گرم ہو جاتا مجبوراً گاڑی low beam پر چلانی پڑتی۔

اندھیری رات، سنسان سڑک ویران علاقہ دور دور تک کسی روشنی کا نام ونشان نہیں کسی گاڑی کا گزر نہیں۔ ہم لوگ احمد پور شرقیہ جا رہے تھے۔ حضور نے فرمایا دروازے lock کر لو۔ خدا خدا کر کے ایک قصبہ کے آثار دکھائی دیئے۔ تو حضور نے رُک کر جائزہ لیا تاریکی میں ڈوبا ہوا جہاں، سڑک کے کنارے دوکانیں بند ایک چوکیدار کمبل اوڑھے بیٹھا دکھائی دیا حضور نے گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے اس سے دریافت فرمایا احمد پور شرقیہ کتنا ہے اس نے کہا

کوئی 25/20 میل۔ ہم پھر روانہ ہو گئے لیکن اَب گاڑی کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی۔ کہ یکا یک ایک تیز روشنی سامنے سے آنکھوں کو چُندھیانے لگی یہ ایک رُکے ہوئے ٹرک کی روشنی تھی۔ پھر یکدم سامنے ایک بڑا درخت سڑک پر گرا پڑا نظر آیا۔ حضور نے ایمرجنسی بریک لگائی رفتار چونکہ کافی تیز تھی گاڑی کے پہیے جام ہو گئے اور گاڑی لٹو کی طرح گھوم کر سڑک کے کنارے پڑے بجری کے ڈھیر میں گھس کر رک گئی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ الٹی نہیں۔ ہاں اس ناگہانی صورت حال میں خاکسار کا سر اپنے سامنے لگے گاڑی کے ہینڈل سے اس زور سے ٹکرایا کہ حواس گم، سنبھل کر دیکھا تو ماتھا سُوج کر کُپا بن گیا۔ خاکسار نے اپنی تکلیف چھپاتے ہوئے قدرے شکوے کے رنگ میں عرض کیا کہ آپ نے بڑے خطرناک طریق پر بریک لگائی ہے، تو مسکراتے ہوئے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ گاڑی تم نہیں چلا رہے تھے ورنہ یہ گفتگو ہم ''اوپر'' جا کر کر رہے ہوتے۔ اِس واقعہ کا ذکر حضور نے اپنے ایک خط محررہ 82-5-4 میں ان الفاظ میں فرمایا۔ فرماتے ہیں

''ڈرائیونگ پر یاد آیا کہ اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا ورنہ انسان کی کوئی چالاکی کام نہیں آتی۔ مبارک سے کہنا کہ شکر کرو میں ڈرائیو کر رہا تھا اب جو ہماری بحث چل رہی ہے کم از کم اس دنیا میں تو ہے۔ اگر مبارک میاں کہیں ویل پر بیٹھے ہوتے تو بعید نہ تھا کہ ہم دونوں یہ بحث کرتے ہوئے اگلی دُنیا میں اٹھتے کہ غلطی کس کی تھی''۔

اس سڑک کا 90 فیصد سفر ختم ہو چکا تھا لیکن اس دیوہیکل درخت نے سڑک پر اس طرح قبضہ کر رکھا تھا کہ کسی طرف سے گزرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ سڑک کے دونوں طرف بارش کا پانی کھڑا تھا۔ یہ کس قدر گہرا ہو سکتا ہے کسے معلوم۔ حضور نے گاڑی کو اِدھر اُدھر گھمایا اور اطراف کا جائزہ لے کر گاڑی کو 4wd میں کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سسٹم اسطرح کے موقعوں کے لئے

بنایا گیا ہے۔اور ساتھ ہی گاڑی کو دائیں طرف موڑ کر پانی میں اتار دیا۔اگلے ہی لمحے پانی کی گہرائی کا اندازہ ہو گیا3-4فٹ تک ہوگا۔ہماری جیپ اب کشتی بن چکی تھی اور اس پانی میں تیر رہی تھی نہ معلوم حضور نے اس وقت کونسی دُعا کی ہوگی کہ گاڑی کا دایاں پہیہ سڑک کے کنارے سے ٹکرایا حضور نے ایک کٹ مارا اور گاڑی ایک بار پھر سڑک پر تھی۔الحمدللہ۔تھوڑی ہی دیر بعد شہر کی روشنیاں ہمارا استقبال کر رہی تھیں۔جان میں جان آئی جونہی ہم ہائی وے پر چڑھے تو دیکھا کہ لمبی قطار ٹرکوں کی لگی ہے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ہم عین اس جگہ پر آن پہنچے ہیں جس مقام سے بچنے کے لئے ہم نے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی تھی۔''یعنی جھنڈی والا مقام''۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے حال پر رحم فرمایا اور دیر تک انتظار کی زحمت سے بچایا کم وبیش آدھ گھنٹے میں ہماری باری آ گئی اور ہم اس ''پل صراط'' سے بھی گزر گئے۔

اب پھر وہی مسئلہ درپیش تھا کم روشنی کے باعث گاڑی چلانے اور پھر تیز چلانے میں دقت ہو رہی تھی۔اتفاق سے ایک کار جس میں کوئی شخص فیملی سمیت سفر کر رہا تھا ہمارے پاس سے گزری۔حضور نے جھٹ جیپ اس کے پیچھے لگا دی کار والا آدھی رات کو اسطرح اپنے تعاقب میں جیپ کو دیکھ کر گھبرایا پہلے تو اس نے ہمیں رستہ دیا کہ نکل جائیں لیکن اُسے ہماری مجبوری کا علم نہ تھا اس نے گاڑی بھگا دی۔حضور نے اس کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے فرمایا کہ اس کار والے کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے اس کو بتانا ضروری ہے کہ ہم شریف لوگ ہیں۔کچھ ہی دیر میں خانیوال کے قریب ریلوے پھاٹک بند ہونیکی وجہ سے ٹریفک رُکی ہوئی تھی جیسے ہی ہم وہاں پہنچے پھاٹک کھل گیا اور ٹریفک چل پڑی۔پھاٹک کے بعد ایک پٹرول پمپ تھا کار والا ادھر مُڑ گیا۔حضور نے بھی جیپ سڑک کنارے روک دی اور مجھ سے فرمایا مبارک جاؤ اسکو بتاؤ کہ ہم شریف لوگ ہیں ہماری یہ مجبوری تھی جس کی وجہ سے ہم تمہارے پیچھے تھے۔خاکسار نے عذر کیا

کہ عین ممکن ہے کہ وہ میرے جانے سے اور گھبرائے اور کوئی غلط صورت حال پیدا ہو اس لئے مناسب ہے کہ ہم چلیں۔ حضور نے میری بات مان لی اور ہم خراماں خراماں سڑک پر ہو لئے۔ سفر شروع ہوئے کوئی 20 گھنٹے ہو چکے تھے ہم خانیوال سے گزر کر شور کوٹ جھنگ والی سڑک پر آ گئے۔ نمازیں ہم گاڑی میں ہی پڑھتے رہے شور کوٹ کے قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں ٹرک اور بسیں سڑک پر کھڑی ہیں اور ٹریفک بُری طرح جام ہے معلوم ہوا کہ ایک پل ٹوٹ گیا ہے۔ حضور نے سڑک کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا اور کمال مہارت کے ساتھ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے کی مسلسل محنت سے اللہ تعالیٰ کی مدد کے طفیل یہ مرحلہ بھی بخوبی طے کر لیا بہت سی رکاوٹیں آئیں لیکن جیپ کے اونچے ہونے کی وجہ سے نیز F.W.D کے باعث ہم یہاں سے نکل گئے۔ ''طوفان نے لاکھ چھیڑا مگر پار ہو گئے۔''

۔ صبح ہو چکی تھی لائٹس والا مسئلہ حل ہو گیا اور خدا خدا کر کے ہم صبح 10 بجے ربوہ پہنچ گئے۔ 30/28 گھنٹے کے اس کٹھن اور اعصاب شکن سفر نے میرے وجود کا اَنگ اَنگ ہلا کر رکھ دیا۔ حضور کے گھر پہنچتے ہی خاکسار جو بستر پر گرا تو اگلے ہی لمحے گہری نیند میں تھا۔ کوئی 2 بجے کے قریب حضور میرے کمرے میں تشریف لائے اور مجھے جگایا فرمانے لگے کھانے کے لئے میز پر آ جاؤ ہیں جیسے تیسے کر کے اُٹھا منہ دھو کر ڈائیننگ ٹیبل پر جا بیٹھا کھانے کے دوران خاکسار نے پوچھا کیا آپ نے بھی کچھ آرام کیا ہے۔ تو حضور کا جواب سن کر میں ورطہ حیرت میں غرق ہو گیا فرمانے لگے میں نے آ کر غسل کیا اور دفتر چلا گیا ابھی بیت المبارک میں نماز ظہر ادا کر کے آ رہا ہوں اب کھانے کے بعد حسب معمول تھوڑا سا آرام کر لوں گا۔

میں ہوش میں ہو کے بھی مست و بے خود
وہ نشے میں بھی ہوشیار اللہ اللہ

خاکسار کی عمر اُس وقت 37 سال اور حضور کی 54 سال تھی۔ جو ہمارے ہاں عام طور پر بڑھاپے کی دہلیز تصور کی جاتی ہے۔ لیکن اس شہسوارِ میدان کا اصل سفر تو ایک ماہ بعد شروع ہونے والا تھا جب آپ منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے خاکسار کا پہلے تو یہ ایمان بالغیب تھا کہ خلیفہ خدا بناتا ہے حضور کی اس کمال ہمت کے مشاہدہ نے میرے ایمان بالغیب کو ایمان بالشہادۃ میں بدل دیا۔

﴿ تیری عاجزانہ راہیں اُسے پسند آئیں ﴾

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود نے وصلِ باری تعالیٰ کے لئے ایک نسخہ تجویز فرمایا ہے جو اس طرح ہے۔

جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا
اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

اور کسی نے اِس نسخہِ کیمیا سے کس قدر فائدہ اٹھایا معلوم نہیں، میرے پیارے حضور نے تو یہ نسخہ اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو لباس کی مانند پہنا دیا تھا اور اپنے وجود کی مکمل نفی اور بارگاہِ الٰہی میں سراپا عجز و انکسار بن گئے تھے۔ آپ کی عاجزی، سادگی اور منکسر مزاجی نے آپ کو احباب جماعت کے دلوں میں محبت اور اعتقاد کا وہ مقام دلایا جو خلیفۃ المسیح کے بعد اور لوگوں کو کم کم نصیب ہوتا ہے۔

آپ کی ان کیفیات کا اظہار آپ کے خطوط میں جا بجا تحریر پر غالب نظر آتا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

خط محررہ 1981

" 21 کو ہمارا انصار اللہ کا کراچی کا پروگرام ہے ممکن ہے میں 20 کو آجاؤں کسی کونے میں فرشی بستر بچھا رکھنا"

میری اہلیہ امتہ الجمیل کی بیماری کی اطلاع ملنے پر اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

خط محررہ 17/05/1981

''.....میں تو اپنے عزیزوں کی بیماری کی خبر سے اتنا پریشان ہوتا ہوں کہ سمجھ نہیں آتی کہ اللہ میاں جانی نے اپنی رحمت سے مجھے یہ کیسا دل دے رکھا ہے غالب کا یہ شعر یاد آجاتا ہے کہ

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے

عزیزوں کی بات نہیں دوسرے مریضوں خصوصاً لاچار غریب بچوں اور عورتوں کی بیماری سے میری طبیعت پر مَنوں بوجھ پڑ جاتا ہے اور بڑے درد سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ میری تو کچھ پیش نہیں جاسکتی تو ہی اپنے فضل سے میرے ردّی ناکارہ علاج میں شفاء رکھ دے۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ ایسی دعا قبول فرماتا ہے کہ میں حیران رہ جاتا ہوں کیسے ایسی حیرت انگیز شفاء نصیب ہوگئی پس تمہارے لئے بھی بڑی دعاؤں کیساتھ ایک نسخہ تجویز کرکے دوائیں پارسل کررہا ہوں۔''

خط محررہ 21/05/1982

''..... جب سختیاں نرمی میں بدلتی تھیں اور نرمی اور محبت کا رنگ پکڑنے لگتیں تھیں روح شکر کے ترانے گاتی تھی کہ میرے جیسے بے کار اور گنہگار انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی ورنہ میں تو خدمت گاروں میں لکھے جانے کے لائق بھی نہیں۔

کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ''

خط محررہ 26/09/1981

''.....میرے لئے بہت دعا کیا کرو دعاؤں کا بہت محتاج ہوں سخت کمزور اور گنہگار ہوں اور ذمہ داریاں اور توقعات میری ہمت سے کہیں بڑھ کر ہیں بہت ڈرتا ہوں میرے لئے تو بس بخشش کی دعا کیا کرو۔''

خط محررہ 31/10/1981

'' ..... یہاں زندگی آجکل شدید مصروف ہے سخت کمزور آدمی ہوں دعا کیا کرو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ذمہ داریاں نبھانے کی توفیق بخشے کبھی کبھی دل گھبراتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ پہاڑ کی کسی کھوہ میں جا کر بیٹھ جاؤں۔

تم اسے مبالغہ یا انکساری نہ سمجھنا ہے ہی یہی بات جو میں کہہ رہا ہوں۔''

بعد از خلافت اپنے خط محررہ 2/11/1982 میں فرماتے ہیں۔

'' میں شدید مصروفیات کے سمندر میں ڈوبا پڑا ہوں اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ مجھ جیسے نکمے گنہگار سے اُس نے یہ کام لینے کا فیصلہ کیا اب وہی ہے جو توفیق بخشے۔

لوگوں کے تبصرے اپنی جگہ لیکن ایک میرے ضمیر کا تبصرہ ہے جو جاری رہتا ہے کبھی خاموش نہیں ہوتا اور کبھی بھی اپنی بساط کو بھولنے نہیں دیتا۔''

☆☆☆

اپنے خط محررہ 13/01/1983 میں اپنی گذشتہ زندگی کے بارے میں اظہارِ خیال یوں فرماتے ہیں۔

''لیکن جو مزا مجھے اُس وقت بظاہر کم تر مقام کا آیا ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ایسا سرور اور نشہ آیا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا موقع ملا کہ زبان میں طاقت نہیں کہ اسے بیان کر سکے۔ میں تو اپنے رب کے احسانات کا ایاز ہوں مجھے اپنی کم مائیگی اور پُرانے کپڑے بہت عزیز ہیں جو میری اصل حیثیت اور مقام مجھے یاد کرواتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے سب تعلق والے بھی ایسے ہی ہو جائیں کیونکہ جو اس درویشانہ آزادی میں مزہ ہے وہ نفس کی بڑی سے بڑی غلامانہ بادشاہی میں بھی نہیں۔ اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی بناؤ۔ یہ تمہارا اُن پر سب سے بڑا احسان ہوگا۔''

بعد از خلافت اپنے ایک طویل خط محررہ 31/01//1983 میں باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو ایک اعلیٰ وارفع مقام پر فائز کیا آپ اپنے قلبی جذبات قلمبند کرتے ہوئے جس انکساری اور عاجزی کا اظہار فرماتے ہیں انسان اُسے پڑھ کر ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''..... مجھے تم لوگ دعاؤں میں یاد رہتے ہو لیکن اب میری ذمہ داریوں کی فہرست اتنی لمبی ہو چکی ہے اور دعا کرتے وقت اتنے نام یاد رکھنے پڑتے ہیں کہ کوشش کے باوجود بعض نام یاد آنے سے رہ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے بامنت کہتا ہوں کہ تیرے علم میں تو سب لوگ ہیں میری کمزوریوں سے صرفِ نظر فرما اور خود اپنے فضل سے ان سب کے بگڑے کام بنا دے۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شمار ممکن نہیں بسا اوقات وفور

تشکر سے میری زبان گنگ ہو جاتی ہے اور اس کی رحمت کے قدم تھامے خاموش اس کے حضور پڑا رہتا ہوں کہ اے میرے محسن میرے مسجود تو خود ہی میرا حال دیکھ کہ مجھے کچھ کہنے کی سکت نہیں۔

تمہیں یاد ہوگا تم سے دو تین مرتبہ میں نے ذکر کیا تھا کہ مجھے خدا تعالیٰ سے اتنا پیار ہے کہ دنیا میں کوئی اس کا تصور نہیں کر سکتا لیکن جب میں اپنی نالائقیوں اور کمزوریوں کو دیکھتا ہوں تو غرق ندامت ہو جاتا ہوں اور نہیں کہہ سکتا کہ یہ پیار اُس کی جناب میں قبولیت کے لائق ہے بھی کہ نہیں۔ لیکن اُس کے باوجود اُس کی رحمت اور لطف و اکرام کے جو جلوے میں نے دیکھے ہیں انہوں نے میری ذات کو بھسم کر دیا ہے اور میری انانیت کی خاک اُڑا دی ہے۔ خود اپنے فضل سے وہ میرے سارے کام بنا دیتا ہے اور یہ عظیم بوجھ جو بظاہر میں نے اُٹھا رکھا ہے مجھے اُسے اُٹھانے کی بھلا طاقت کہاں تھی یہ اُسی کی قدرت کا مخفی ہاتھ ہے جو اُسے اُٹھائے ہوئے ہے۔

کاش پہلے کی طرح میرے پاس وقت ہوتا تو میں تمہیں گھنٹوں بیٹھ کر اپنے رب محسن کے پیار کے قصے سناتا تم میرے لئے بہت دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ ایک لمحے کے لئے بھی اپنے فضلوں کا ہاتھ مجھ سے نہ کھینچے۔ میں بہت کمزور ہوں۔"

خاکسار کے حضور رحمہ اللہ کی صحت کے بارے میں اظہارِ تشویش پر آپ نے میری اہلیہ کے نام اپنے ایک خط محررہ 22/06/1983 میں یوں فرمایا۔

"..... بیمار اور کمزور ہو کر پہلے سے بھی اچھا لگنے لگا ہوں حالانکہ کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا سوائے مبارک میاں کے زاویہ نظر کے۔

ہاں داڑھی کا اس نے ٹھیک بتایا ہے کہ بڑھ گئی ہے لیکن اب ان باتوں سے بے نیاز ہو چکا ہوں کہ داڑھی بڑھ کر اچھی لگتی ہے یا بُری۔ اچھا ہے بُرا جو کچھ بھی ہے میرا تو اب کچھ بھی نہیں رہا۔ ایک ایسی دُھن میں کھویا ہوا ہوں کہ ان باتوں کی ہوش نہیں کہ کیسا لگتا ہوں۔ یہ ہوش ویسے پہلے بھی زیادہ نہیں تھی لوگ ہی کہا کرتے تھے کہ یہ کپڑے نہ پہنو یہ جوتی بدل لو یا وہ ٹوپی تبدیل کرو۔''

☆☆☆

خلافت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تیاری

قارئین کی خدمت میں ذیل کا مضمون بیان کرنے کے لئے خاکسار کو سب سے زیادہ مشکل کا سامنا ہے۔ لیکن اس عاجز کی عقل وفہم کے مطابق یہ وہ سب سے اہم بات ہے جس کو احباب جماعت کے سامنے رکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ عاجز ایک عام عقل کا معمولی سا انسان ہے نہ تو علم وادب سے کوئی زیادہ شغف رہا ہے نہ ہی تصوف وعرفان کی چراگاہوں سے فیض یاب ہونے کا کبھی موقع ملا۔ تاہم حضور کی وہ کیفیات جن کا ذیل میں ذکر کرنے جارہا ہوں ایک خاص قسم کی تبدیلی کی آئینہ دار ہیں۔ جو حضور کے اپنے تحریر کردہ خطوط سے عیاں ہوتی ہیں۔ یہ دور 1982ء کے اوائل سے شروع ہوگیا تھا۔ ہمارے ساتھ حضور کے تعلق اور اَن گنت خطوط کا جو ربطِ پیہم تھا اس کی روشنی میں خاکسار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ حضور جب کام کی زیادتی کے باعث زیادہ دباؤ میں آجاتے تو پھر خاکسار کو یا میری اہلیہ کو ضرور خط لکھتے تھے۔ دوسروں کو بھی لکھتے ہوں گے لیکن اس کا خاکسار کو علم نہیں وہ کیفیت جس کا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں کیوں تھی۔ اسکا اندازہ بعد میں حضور کے اپنے ہی بیان سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور کو ایسے اشارے ہورہے تھے جن سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ آپ کی آزادی ختم ہونے والی ہے۔

لہٰذا 23 جون 1982ء کو مسند خلافت پر متمکن ہونے کے 13 دن بعد خاکسار کی اہلیہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم • نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھو الناصر

انا فتحنا لک فتحا مبینا
خلیفۃ المسیح
امام جماعت احمدیہ

23.6.1361/1982

عزیزہ پیاری امۃ الجمیل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے تمہیں پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ میرے لاابالی پن اور بے تکلفہ آزادی کے دن رمضان میں ختم ہو جائیں گے۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے مجھے جو خبر دی تھی اُس کے مطابق رمضان سے چند دن پہلے میری آزادی کا زمانہ ختم ہونے والا تھا سمجھو تو میں نے گھومنے پھرنے کے لئے اس تاریخ کا پروگرام بنایا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کو کچھ اور منظور تھا اور میں سر سے پاؤں تک اس کی مشیت پر راضی ہوں اور انشاء اللہ آخری سانس تک راضی رہوں گا۔ ضمناً یہ وضاحت کر دوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم فرماتے ہوئے یہ بات مجھ سے چھپا کر رکھی تھی کہ میری آزادی کس طرح ختم ہوگی۔ یہ بات میرے لئے ایک راز سربستہ تھی اور تعجب میں مبتلا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

خاکسار اِن مذکورہ بالا کیفیات کو ایک روحانی انقلاب سمجھتا ہے جو وقتِ خلافت کے قرب کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا اور اندر سے ایک بے قراری، بے چینی، فکر اور غم لیکن ساتھ ہی ایک نہایت پر سکون کیفیت۔ اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت حضور کو آنے والی عظیم الشان ذمہ داریوں کے لئے تیار کر رہی تھی۔ حضور کے یہ خطوط ادب کا ایک شاہکار ہیں۔ جن کو پڑھ کر جہاں حضور کے اندرونی کرب سے شناسائی ہوتی ہے وہاں حسن تحریر سے دل عَش عَش کر اُٹھتا ہے۔

خط محررہ 30-1-1981

''.....میری زندگی جیسے تیسے چل رہی ہے بہت سے کام لٹکے ہوئے ہیں۔ اپنی سستی کی جہ سے انہیں پورے نہیں کرسکتا اور دل پر بوجھ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

میرے سوال جواب کی ٹیپ پر بیسیوں خطوط آئے لیکن دل ٹس سے مَس نہ ہوا۔ چند دن ہوئے چھوٹی پھوپھی جان (سیدہ نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ) کے تبصرہ کے دو چھوٹے چھوٹے جملے تھے جن کے اثر سے سارا دِن بار بار روتا رہا۔ انہوں نے کہا۔

''یہ ٹیپ سن کر میں سوچتی رہی کہ بڑی خوش قسمت ماں تھی جس نے یہ بیٹا پیدا کیا اور بڑی بدقسمت تھی جو اس کے کام دیکھے بغیر مرگئی۔''

میں تو خیر جو ہوں سو ہوں ایک نہایت حقیر اور ناکارہ آدمی ہوں۔ لیکن ان دو فقروں نے ایسا درد دِل پیدا کیا کہ بار بار امی کیلئے دعا کی توفیق ملتی رہی۔

آج رات سے موسم بھیگا ہوا ہے۔ وقتاً فوقتاً بارش ہو رہی ہے۔ دفتروں میں چھٹی

ہے لیکن گھر سے بھاگ کر دفتر کی پناہ میں آ بیٹھا ہوں۔ لیکن چند منٹ کام کیلئے نکال سکا ورنہ ملاقاتیوں اور مریضوں کا سلسلہ ایسا تھا کہ بارش تو تھم بھی جاتی ہے یہ سلسلہ تھمنے میں نہیں آتا۔ بارش ہو تو دل کسی سے ملنے کو نہیں چاہتا اور ایک اداس تنہائی میں کھو جانے کو ترستا ہوں۔ ''

خط محررہ 26 فروری 1982ء

''کراچی میں جو پُر اسرار دردناک خواب میں نے دیکھی تھی میں سوچتا رہا کہ کہیں یہ وہی شاعر نہاں تو نہیں تھا جو دل کی کھڑکی سے کود کر باہر آ گیا۔ باہر کی اجنبی دنیا سے خائف۔ خاموش۔ تنہا۔ رہبر کا متلاشی جو شیکسپیئر کے قول کے مطابق To be or not to be that is the question کی بھول بھلیوں میں سرگرداں ہو۔ یعنی عدم اور وجود کے دوراہے پر کھڑا کسی راہنما کا منتظر یہ الجھا ہوا سوال حل کر رہا ہو کہ میں ہوں یا نہ ہوں۔ زندگی اور موت اس کیلئے اس طرح برابر ہو چکے ہوں کہ کسی ایک کو اختیار کرنے کیلئے اسے کوئی ترجیح نظر نہ آئے۔ وہ یہ نہ جان سکے کہ میں زندہ رہوں تو کیوں مروں تو کس کے لئے۔

تب اچانک کچھ کہے بغیر ایک قابلِ اعتماد ہاتھ مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لے۔ کوئی گفتگو نہ ہو۔ کوئی وجہ نہ پوچھی جائے لیکن دوراہے پر کھڑے متذبذب مسافر کو اپنے سوال کا جواب مل جائے اور وہ بلا چوں و چرا اپنی مرضی کو اس راہنما ہاتھ کی مرضی کے تابع کر دے۔ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے اس خواب کی تعبیر سمجھ آ گئی ہو جو اب تک میرے دل پر ایک پُر اسرار سایہ ڈالے ہوئے تھی۔''

اپنے اسی خط میں اپنی کیفیت کچھ یوں بیان فرماتے ہیں۔

''میری زندگی میرے بس میں نہیں شاید کسی کی زندگی بھی کسی کے بس میں نہیں ہوتی مگر میری بے اختیاری کا عالم کچھ اور ہی ہے ایک خودرو ندی کی طرح بہتا چلا جا رہا ہوں پہلے بھی اُسی طرح بے اختیار رواں دواں تھا اور اب بھی لیکن پہلے اور اب میں ایک فرق پڑ چکا ہے پہلے یوں لگتا تھا کہ یہ ندی جیسے پہاڑی راستوں میں سے گزر رہی ہو موّاج اور متلاطم، بے چین اور بے سکون، نئے مناظر نئی سیر گاہوں کی تلاش میں، موڑ کاٹتی، بل کھاتی آگے بڑھتی ہوئی جس کے سامنے ہر موڑ پر نئے افق ابھرتے ہوں۔ اب کیفیت بدل چکی ہے بہاؤ میں بھی ایک قسم کا قرار سا آ گیا ہے۔ جیسے بہتا ہوا ایک سکون کا دریا ہو جو اپنی آخری منزل اپنی ابدی آماجگاہ، ایک بحرِ بے کنار کی طرف بڑھ رہا ہو۔ ایک پھول کی پتی بھی اس کی سطح پر گرے تو بے خوف و خطر ساتھ ساتھ تیرتی ہوئی چلی جائے۔ پھول کی پتی سطح آب کے لئے تسکین بخش ہو اور سطح آب پھول کی پتی کے لئے۔

تم سوچو گی کہ یہ کیا عجیب باتیں لکھ رہے ہیں نہ سر نہ پیر نہ آغاز نہ انجام ایک بے معنی سا نظارہ ایک معمہ جو سمجھنے کا ہے نہ سمجھانے کا کسی کو کیا معلوم کہ یہ بے معنی نظارے اور اس جیسے اور بھی بہت سے نظارے میری مصروفیات کا علاج ہیں میرے بوجھ کو ہلکا کرنے والے میرے لئے تسکین کا سامان پیدا کرنے والے اور میری تنہائی کے ساتھی ہیں۔ اس تنہائی کے ساتھی نہیں جو مصروفیات کے ہنگاموں میں بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑتی اس تنہائی میں تو یہ نظارے بھی دامن بچا کر خدا جانے کہاں کھو جاتے ہیں یہ اس تنہائی کے ساتھی ہیں جو چند منٹ کے لئے کبھی صبح کبھی شام کبھی رات سونے سے پہلے مجھے میسر آتی

ہے۔ جب میں آنکھیں بند کر کے کچھ دیر کے لئے فلمیں دیکھتا ہوں میری ان فلموں کے ساتھ وی سی آر اور سینما کی فلموں کو بھلا کیا نسبت وہ کردار کو تختِ الثریٰ میں گرانے والی فلمیں ہوتی ہیں یہ روح کو آسمان کی بلندیوں پر لے جانے والی۔ یہ فلمیں مجسم لطافت اور مجسم شعر ہوتی ہیں ان کو دیکھتے دیکھتے جب میں ہولے سے نیند کی گود میں ڈھلک جاتا ہوں تو ہاتھ بڑھا کر کسی بٹن کو دبا کر انہیں بند کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اِن فلموں پر کوئی سنسر کا پہرہ نہیں سوائے اس کے جو نظام الٰہی کا خاموش سنسر ہے۔ اگر اِن فلموں پر بھی دنیاوی سنسر کا پہرہ بٹھانا ممکن ہوتا تو اس ملک میں میرے جیسے آدمی کا رہنا محال ہو جاتا..... اکثر لوگ مجھے نہیں جانتے ورنہ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ مجھے اس اداسی میں کتنا مزہ آتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ کیا ہر انسان کے دو دو وجود ہوتے ہیں؟۔ ایک ظاہر جسے دوست اور احباب جانتے ہیں ایک مخفی۔ جو سخت حیادار ہوتا ہے اور حورٌ مقصورٌ اتٌ فی الخیام کی طرح حجاب میں رہتا ہے۔ میں کردار کے لحاظ سے بات نہیں کر رہا اس لحاظ سے تو جانتا ہوں کہ دنیا کی اکثریت دو دو، چار چار وجود رکھتی ہے۔"

خط محررہ 13/4/1982

چند دن سے دل پر جو اداسی کا دورہ ہے وہ کم نہیں ہوا اس کا کسی واقعہ سے کوئی تعلق نہیں صرف اپنی ذات سے تعلق ہے ..... پہلے بھی بارہا اس قسم کی کیفیت میں دِنوں غرق رہا ہوں۔ اس دفعہ بڑے غور سے میں نے شروع سے آخر تک اپنے نفس میں ڈوب کر اس کیفیت کا تجزیہ کیا تو جو کچھ دریافت ہوا سوچا کہ تمہیں بھی لکھ دوں

.....جب لوگ میرے حق سے بڑھ کر مجھ سے پیار کرنے لگتے ہیں اور مجھے خواہ مخواہ قابلِ عزت چیز سمجھنے لگتے ہیں تو دل اپنے آپ سے متنفر ہونے لگتا ہے اور نفس کی ملامت تیز ہونے لگتی ہے کہ تم کیا ہو اور تمہیں کیا سمجھا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان جاتا ہے تو دل خوف سے بھر جاتا ہے اور پورا وجود عرقِ ندامت میں غرق ہو جاتا ہے

اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں
غیر کیا خود مجھے نفرت میری اوقات سے ہے

لوگ جتنا پیار کا اظہار کرتے ہیں۔ اتنا ہی جی میں کٹتا جاتا ہوں۔ ان کے پھول پتھر بن کر دل کو لگتے ہیں۔ پرسوں چوہدری انور حسین صاحب شادی کے موقع پر تشریف لائے تھے تو اس مجلس کا ذکر کیا جو وکلاء کے ساتھ شیخوپورہ میں لگی تھی کہنے لگے۔ وکلاء جو شریکِ مجلس تھے یہ باتیں کر رہے تھے کہ ہم نے آج تک ایسا انسان نہیں دیکھا۔ میں نے دل میں سوچا کاش میں خدا تعالیٰ کی نظر میں محض انسان کہلانے کا مستحق ہوں۔

یہ موڈ جب اور گہرا ہو جائے تو زندگی کی کوئی تمنا کوئی آرزو باقی نہیں رہتی مرنے جینے کا فرق اٹھ جاتا ہے۔ ایک مردہ لاش کی طرح میں چلتا پھرتا اور ایک خودکار مشین کی طرح کام کرتا ہوں روزمرہ کی مصروفیات جاری رہتی ہیں لیکن میں نہیں رہتا تنہائی سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی دل چاہتا ہے گھنٹوں کسی سایہ دار درخت کے نیچے پڑا رہوں۔ الفاظ میں ڈھالے بغیر اپنا حالِ زار اپنے خالق کے حضور پیش کرتا رہوں۔

یہ موڈ پھر طرح طرح کے رنگ بدلنے لگتا ہے۔ تصور کے پر لگا کر اپنے ماضی کی سیر کرتا ہوں اور اپنے حال پر منڈلانے لگتا ہوں۔ پھر حال اور مستقبل کی ہر آن آگے بڑھتی ہوئی سرحد سے اُس پار مستقبل کی راج دہانی میں جھانکتا ہوں اور میری اداسی گہری اور

بھی گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایسی گھٹا کی طرح جس میں مزید نمی اٹھانے کی طاقت نہ رہے کچھ آنکھوں سے بھی برس جاتی ہے۔ لیکن دل اسی طرح بھرا رہتا ہے..... دل چاہتا ہے کسی دور دراز دنیا میں چلا جاؤں۔ جہاں زندہ رہتے ہوئے بھی زندگی کے فرائض سے سبکدوش ہوں۔ قدرتی مناظر کی اُس دنیا میں کھو جاؤں صبح و شام اپنے خیالوں میں مست پھرتا رہوں یا ستانے کیلئے نرم گھاس کے تختے پر لیٹ جایا کروں۔ کبھی کبھی پرندوں کی آواز مجھے چونکا دیا کریں تو ان کی معصومیت پر فدا ہونے کو جی چاہنے لگے اس تنہائی میں کسی ایسی رفاقت کو ترسوں جو میری تنہائی میں مُخل ہوئے بغیر میرے راز کی محرم رہے اور صدائے بازگشت بن کر میرے ہی دل کی کہانی مجھ سے کہے۔ تنہائی اور رفاقت کی بیک وقت تمنا تم نے کبھی سنی تھی۔

پچھلے کچھ دنوں سے میں اسی پاگل پن کا شکار ہوں جسے میں اپنی زبان میں اپنے وجود سے شناسائی کہتا ہوں۔ پس میرا حقیقی وجود میرے اندر کا انسان تو اتنا غم انگیز ہے کہ خود میں بھی جب اس کے قریب جاتا ہوں تو سراپا اَلَم بن جاتا ہوں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ کیفیت ایک دو دن میں دور ہو جائیگی جیسے ایک غوطہ خور ایک لمبے غوطے کے بعد سطح آب پر ابھر آتا ہے۔ میں بھی اپنی روزمرہ کی زندگی میں پھر ابھر آؤنگا۔ اس دوران میں جن زیر آب جہانوں کی سیر کر چکا ہوں یا کرونگا وہ ایک لمبی کتاب ہے جس کا ورق ورق بھیگا ہوا ہے اُسے اس باہر کی دنیا میں آکر از سر نو لکھنا تو درکنار سنانے کے لئے ایک عمر چاہیے ..... تم فکر نہ کرنا مجھے لگتا ہے کہ میری واپسی کا سفر بھی شروع ہو چکا ہے اور جلد ہی اس ہولناک تاریکی سے باہر آجاؤں گا۔"

خاکسار نے حضور کے 23 جون 1982ء کے ایک خط کا اقتباس اس مضمون کے شروع

میں درج کیا ہے جس میں حضور نے اپنی آزادی ختم ہونے کا ذکر فرمایا تھا۔ اُسی خواب کے متعلق حضور نے خلافت سے چند روز قبل 82-05-17 (23 دن پہلے) میری اہلیہ کے نام خط میں یوں ذکر فرمایا۔

چند دن پہلے ایک نہایت عجیب
خواب دیکھی جو بالکل غیر معمولی تھی اور انسانی
تصور کی پیداوار نہیں لگتی ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف
سے نہایت پیارے انداز میں تسلی دلوائی گئی
ہے ۔ اس رمضان شریف کے بعد جو دور شروع
ہوگا اس کے متعلق لگتی ہے ۔ لیکن اس کا ذکر
ملنے پر زبانی کروں گا ۔

خط محررہ 18/04/1982

"............دعا میں یاد رکھنا۔ میرا دل کچھ بے چین سا رہتا ہے کام زیادہ ہے۔ وقت تھوڑا۔ کام کی خواہش بہت ہے لیکن اکثر کام ادھورے پڑے ہیں۔ ڈر لگتا ہے کہ کہیں زندگی ادھوری نہ رہ جائے۔............"

خط محررہ 9/05/1982

"............ جہاں تک میرے سندھ کے پروگرام کا تعلق ہے ابھی تک کچھ بھی نہیں کہہ سکتا ہر چیز معلق ہے اور میں پریشان ہوں۔ دیکھو نا پہلے خیال تھا کہ حضور (خلیفۃ المسیح الثالثؒ)

آخر مئی میں یا شروع جون تک (یورپ) تشریف لے جائیں گے میں ساتھ ہی کراچی آؤں گا پھر اپنی مرضی سے سندھ کے کام ختم ہونے تک وہیں رہوں گا کوئی جلدی نہیں ہوگی لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ حضور کا پروگرام غالباً 20 جون کو جانے کا ہے۔ پھر 24 جون کو رمضان شریف بھی شروع ہو رہا ہے۔ اب تو یہی ہو سکتا ہے کہ دس جون تک آؤں اور حضور کو رخصت کرنے کے بعد پھر واپس آؤں.....''

خط محررہ 16/05/1982

''..... میں اس رمضان شریف سے پہلے ایک بار دس بارہ دن کیلئے آنا چاہتا ہوں اور رمضان سے کم از کم ایک دن پہلے مجھے واپس بھی پہنچنا ہوگا۔ حضور بھی غالباً 20 جون کو تشریف لے جا رہے ہیں۔ لہٰذا ان سب باتوں کو ملحوظ رکھ کر میرا پروگرام تجویز کرو۔''

خط محررہ 20/5/1982

''رات ایک عجیب خواب دیکھا جس کی وجہ سے طبیعت عجیب طرح اداس اداس تھی۔ جیسے برسنے سے پہلے شام کے سیاہ گھنے بادل اداس دکھائی دیتے ہیں خواب عجیب سا ہے چونکہ تم بھی اس میں آتی ہو اس لئے تمہیں لکھ رہا ہوں۔

دیکھا کہ کچھ احمدی نوجوان میرے سامنے بیٹھے ہیں جن کو محض اس لئے کہ وہ احمدی ہیں اور حضرت اقدس مسیح موعود..... کی تکذیب پر دستخط نہیں کرنا چاہتے تو نوکریوں اور

دیگر حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے لیکن وہ ذرا بھی مرعوب نہیں اور بڑے عزم کے ساتھ اس راہ میں ہر قربانی کے لئے تیار نظر آتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر مجھے ان پر اتنا پیار آتا ہے کہ ناقابلِ بیان اور دل ان کیلئے درد سے بھر جاتا ہے اور 74 کا زمانہ یاد کر کے سوچتا ہوں کہ میں کس طرح اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے چھپ چھپ کر رویا کرتا تھا لیکن نہ اس وقت کسی کے سامنے روسکتا تھا نہ اب ان کے سامنے روسکتا ہوں۔ آنسو ہیں کہ مچل رہے ہیں اور اچھل اچھل کر برس پڑنے کو بے قرار ہیں۔

اس وقت میں سوچتا ہوں (خواب ہی میں) کہ علیٰحدہ بیٹھ کر تمھیں ایک خط لکھونگا کیونکہ تم سے میں اپنی دل کی باتیں کر لیتا ہوں جبکہ دوسروں سے شرماتا ہوں وہ خط اس طرح سے شروع ہوگا۔

"یہ خط تمھیں ایک آبشار کے نیچے بیٹھ کر لکھ رہا ہوں اور وہ آبشار میرے ہی آنسوؤں کی آبشار ہے۔.....خط کا مضمون صرف اس قدر ہی سوچا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی اور آنکھ کھلتے ہی غالب کا یہ مصرعہ پڑھ رہا تھا۔

پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہوگئے

اسکا پہلا مصرعہ ملا کر پورا شعر یہ ہے۔

کہتا ہے کون نالہ بلبل کو بے اثر

یعنی لوگ نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ بلبل کی آہ وزاری یونہی بے کار جاتی ہے کیونکہ گلاب کے پھول کا چہرہ سرخ اور تروتازہ کھلا ہوا دکھائی دیتا ہے اور لگتا ہے کہ بلبل کے نالوں کے باوجود پھول ان سے بے پرواہ کھلتا کھلکھلاتا ہوا ہر عشرت و انبساط کی زندگی گزار رہا ہے۔ لیکن گلاب کے سینے میں جھانک کر تو دیکھے سارا جگر غم سے چاک چاک دکھائی

دے گا۔ پھول کے اندر جو پردہ در پردہ پتیاں ایک دوسرے پر لپٹی ہوتی ہیں ان سے تشبیہہ پکڑتے ہوئے غالب نے یہ حسین مصرعہ کہا کہ!

"پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہوگئے۔"

پس میری آنکھ کھلی تو یہ دوسرا مصرعہ بار بار پڑھ رہا تھا اور ذرا ہوش آنے کے بعد سمجھ آئی کہ اس کا تو خواب کے مضمون سے تعلق ہے اور یہ خود میرے ہی متعلق ہے.....

..... ایک اور بھی بڑی گہری اور معنی خیز خواب دیکھی تھی لیکن وہ بعد میں کبھی کراچی آیا تو خود سناؤں گا۔ لیکن آنا کب ہے یہ تو بتاؤ؟ جون کے پہلے ہفتہ کے بعد سے لے کر (اپنے) مہمانوں کا پروگرام ملحوظ رکھتے ہوئے لکھو کہ کن کن تاریخوں میں آنا بہتر رہے گا۔ میرا کیا ہے اپنا پروگرام خود ہی تجویز کرنا ہے چند دن آگے کر لیا یا پیچھے کر لیا۔"

خط محررہ 24/05/1982

" ..... میرا خیال ہے انشاءاللہ 11 جون کو آؤں گا۔ غالباً فیصل آباد کے راستے یا پھر.....خیر جو راستہ بھی ہو انشاءاللہ۔"

خط محررہ 25/05/1982 خلافت سے پندرہ دن قبل

" آج بھی کل والا ہی حال ہے اس وقت بھی لوگوں میں بیٹھے بیٹھے ہی خط لکھ رہا ہوں۔

آج کچھ عجیب سی طبیعت ہے ایسی کہ سمجھا نہیں سکتا اداسی اور تھکن باہم مل جل گئیں ہیں اور ایک ہی وجود کے دو نام بن گئیں ہیں۔ تھکن جسمانی نہیں بلکہ ذہنی ہے۔

اس وقت اکیلئے پن کو ترس رہا ہوں دعا کیا کرو میرے لئے کمزور بہت ہوں اور بہت بوجھ زیادہ ہیں اور پھر اتنی قسم کے بوجھ ہیں کیا کروں اللہ میاں رحمت فرماتا ہے ورنہ جینا مشکل ہو جاتا۔"

ذیل کا خط آپ نے بیت الفضل اسلام آباد سے لکھا اس خط پر تاریخ نہیں لکھی اس خط میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی بیماری کی تفصیل لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"..... امید ہے حضور کی طبیعت اچھی رہے گی اور میں انشاء اللہ 11 جون کو فیصل آباد سے کراچی آؤں گا اگر خدانخواستہ کوئی تبدیلی ہوئی تو اطلاع کروں گا"۔

مذکورہ خط خلافت سے 17 دن قبل تحریر فرمایا۔ جس میں آپ نے ایک بار پھر 11 جون 1982 کو کراچی آنے کا لکھا مگر عرش پر 10 جون 1982 کا فیصلہ ہو چکا تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسندِ خلافت پر بٹھا دیا۔

☆☆☆

﴿ انتخابِ خلافت سے ہجرت تک کا دور ﴾

1982ء میں عالمگیر جماعتِ احمدیہ کو خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے صدیوں کے بعد سپین میں بیت الذکر تعمیر کرنے کی سعادت بخشی۔ الحمدللہ۔ اس بیت الذکر کا افتتاح بدست حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ ہونا طے پا چکا تھا۔ اور پروگرام کے مطابق حضور رحمہ اللہ کی روانگی 20 جون کو متوقع تھی۔

اس مبارک تقریب میں شمولیت کی غرض سے جہاں دنیا کے کونے کونے سے احمدی احباب شرکت کے خواہش مند تھے ایسے ہی حضرت مرزا طاہر احمد صاحب نے بھی بمعہ اہل و عیال شرکت کا پروگرام بنایا اور خاکسار کو بمعہ اہلیہ ساتھ چلنے کی دعوت عطا فرمائی۔ آپ کے اس پروگرام میں سپین کے علاوہ یورپ کے دیگر ممالک اور بعد ازاں امریکہ جانے کا پروگرام بھی شامل تھا۔ لہٰذا مارچ 1982ء میں اس سفر کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ مئی 1982ء میں ان ممالک کیلئے ویزے لگوانے کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی تقدیر کچھ اور تھی۔ اچانک حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ شدید بیمار ہو گئے آپ کو علاج کیلئے اسلام آباد لے جایا گیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب حضور رحمہ اللہ کے ہمراہ اسلام آباد چلے گئے۔ اسلام آباد میں حضور کا معائنہ ڈاکٹروں نے کرنے کے بعد صورتِ حال تشویشناک بتائی۔ آپ حضور کی اس اچانک بیماری کیوجہ سے بے حد فکر مند اور اداس تھے۔ آپ نے اسلام آباد سے حضور رحمہ اللہ کی بیماری کے بارے میں خاکسار کے نام ایک خط لکھا۔ فرمایا:

"پیارے مبارک السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت قدرے بہتر ہے لیکن ڈاکٹری نقطہ نگاہ سے ابھی تک خطرے سے باہر نہیں مسلسل پُر فکر دُعاؤں کی ضرورت ہے امید ہے حضور کی طبیعت اچھی رہے گی اور میں انشاء اللہ 11 جون 1982ء کو فیصل آباد سے کراچی آؤنگا۔ اگر خدانخواستہ کوئی تبدیلی ہوئی تو اطلاع کردوں گا۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے درد کی دوا کرے کوئی

باقی انشاءاللہ پھر۔ دل بہت اداس ہے دعا کیا کریں۔

والسلام
مرزا طاہر احمد"

حضور کی طبیعت زیادہ خراب ہونے پر آپ نے خاکسار کو فرمایا۔

"یورپ اور امریکہ والا پروگرام سرِ دست منسوخ کر دیا ہے۔ شاید حضور انور کو بغرضِ علاج ملک سے باہر لے جایا جائے لہٰذا حضور کی صحت کے مطابق دوبارہ پروگرام بنالیں گے۔"

الٰہی تقدیر کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ 8 اور 9 جون 1982ء کی درمیانی شب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس ناگہانی اطلاع ملنے پر دنیا کے طول وعرض سے خلافت احمدیہ کے پروانے عازم ربوہ ہوئے۔ ہم میاں بیوی بھی کراچی سے ربوہ پہنچے اور حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کے دولت خانہ پر فروکش ہوئے۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے جسد اطہر کے ہمراہ اسلام آباد سے ربوہ پہنچ چکے تھے۔

آپ بہت زیادہ خاموش اور غمزدہ تھے۔ حضور رحمہ اللہ کی رحلت کا غم عیاں تھا۔ دن کا اکثر حصہ آپ قصرِ خلافت میں گزارتے اور کسی بھی ملنے والے سے اجتناب فرماتے۔ جب گھر تشریف لاتے تو اپنے اہلِ خانہ کو دعاؤں کی تلقین فرماتے۔ خاکسار حالات کی نزاکت کیوجہ سے کچھ زیادہ پریشان تھا اور پریشانی میری ہیئت سے عیاں تھی۔ ایک مرتبہ آپ گھر تشریف لائے اور میری پریشانی کو دیکھتے ہوئے مجھے تسلی دی اور جلالی انداز میں فرمایا۔

''مبارک سنو! کل اگر اللہ تعالیٰ نے صدر انجمن احمدیہ کے کسی چپڑاسی کو بھی خلیفہ بنا دیا تو اسکو وہی برکتیں عطا فرمائے گا جو خلیفۃ المسیح کو عطا فرماتا ہے۔''

9 اور 10 جون کی درمیانی شب خاکسار کو آپ کے ساتھ آپ کے سٹڈی روم میں گزارنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ خاکسار کو کیا معلوم تھا کہ ہمارے ساتھ ٹوٹ کر محبت کرنے والا یہ وجود ایک سادہ لوح درویش، کل آسمانِ احمدیت کی بلندیوں میں پرواز کر جائے گا۔ رات گئے خاکسار سونے کے لئے لیٹ گیا۔ لیکن حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے مصلّٰی بچھایا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ خاکسار بھی سویا، جاگا، کروٹیں بدلتا رہا لیکن آپ نے رات کا اکثر حصہ اپنے مولا کریم کے حضور گریہ و زاری میں گزارا۔ اور اگلے دن 10 جون کو دن کا پہلا حصہ قصرِ خلافت میں گزرا۔ دوپہر کو تشریف لائے اور انتخاب خلافت میں شمولیت کے لئے تیاری کی لیکن ابھی قصرِ خلافت یا بیت المبارک تشریف نہیں لے گئے تھے کہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جو کہ سرائے محبت صدر انجمن احمدیہ میں قیام پذیر تھے نے محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کو پیغام بھیجا کہ ''ملنا چاہتا ہوں'' جس پر آپ سرائے محبت تشریف لے گئے۔ بعد ازاں کتاب لکھنے کے دوران میرے استفسار پر مکرم چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب نے خاکسار کو اِس ملاقات کے بارے میں بتاتے ہوئے فرمایا!

''حضرت چوہدری صاحب نے اُس دن دوپہر کا کھانا اپنے کمرے میں منگوالیا اور حضرت میاں صاحب کے تشریف لانے پر دونوں نے اکٹھے کھانا کھایا۔ حضرت چوہدری صاحب نے اِس ملاقات کی تفصیل تو نہیں بتائی۔ البتہ اس قدر فرمایا کہ انہوں نے حضرت میاں صاحب سے فرمایا تھا کہ جس بے تکلفی سے آپ کے ساتھ آج بات کر سکتا ہوں ویسے شاید بعد میں نہ کر سکوں۔ نیز یہ بھی کہا کہ اپنی صحت کا خیال رکھیں کیونکہ کام کا بوجھ اٹھانے کیلئے صحت کا اچھا ہونا بے حد ضروری ہے''

حضرت چوہدری صاحب کی مذکورہ گفتگو سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ آپ کلمۃ اللہ تھے لہٰذا اِسی نسبت سے میرے آقا نے آپ کی وفات کے بعد خطبہ جمعہ میں حضرت چوہدری صاحب کے مقام پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ کو کلمۃ اللہ کے الفاظ سے یاد فرمایا۔

خدا تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق آپ خلیفۃ المسیح الرابع منتخب ہو گئے اور خلافت کی پگڑی آپ کو پہنا دی گئی۔ نمازوں کی ادائیگی، بیعت اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی تدفین کے بعد آپ قصرِ خلافت تشریف لے گئے جہاں خاندان کی خواتین نے بیعت کا شرف حاصل کیا یہ رات حضور نے قصرِ خلافت میں بسر فرمائی۔ اس دوران آپ کے اہل خانہ بھی قصرِ خلافت منتقل ہو گئے اور خاکسار اور میری اہلیہ حضور کے گھر میں رہ گئے۔

دو تین دن تک آپ گاہے بہ گاہے اپنے گھر تشریف لاتے رہے خاکسار جو کہ گزشتہ 17 سال سے آپ کے ساتھ نہایت بے تکلفی کے ساتھ پیار، محبت اور اپنائیت کے ایک اٹوٹ رشتہ میں منسلک تھا اچانک ایک شدید حجاب میں مبتلا ہو گیا اور حضور کے سامنے جانے کی ہمت نہ

رہی۔ چنانچہ جب بھی حضور گھر تشریف لاتے تو میں دائیں بائیں ہو جاتا۔ غالباً تیسرے دن جب حضور اپنے گھر تشریف لائے تو فرمایا۔ ''مبارک کہاں ہے''۔ مجھے ڈھونڈ کر آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ لیکن حجاب اس قدر تھا کہ میں نظریں اٹھا کر حضور کی طرف دیکھ نہ سکا تو اپنے اس ناچیز غلام کو پیارے آقا نے گلے سے لگا لیا۔ اور میں دھاڑیں مار کر رونے لگا حضور نے مجھے پیار کیا تسلی دی اور فرمایا کہ صبح قصرِ خلافت آجانا دفتر وقفِ جدید جانا ہے وہاں سے میں نے اپنی کچھ ضروری اشیاء لانی ہیں۔ تم میرے ساتھ چلنا۔

اگلے روز مقررہ وقت پر خاکسار قصرِ خلافت کے دروازے پر جا کھڑا ہوا لیکن یہ ہمت نہ ہوئی کہ کسی کے ذریعہ اپنی آمد سے حضور کو مطلع کروں لہٰذا باہر ہی کھڑا رہا تھوڑی دیر کے بعد گیٹ کھلا سامنے حضور کی گاڑی کھڑی نظر آئی اور چند ہی لمحوں میں حضور اندر سے تشریف لے آئے اب بھی میری ہمت نہیں ہوئی کہ آگے بڑھ کر عرض کروں کہ حضور میں آ گیا ہوں۔ کار میں بیٹھنے سے قبل مجھے وہاں نہ پا کر حضور نے فرمایا ''مبارک کہاں ہے'' خاکسار نے وہیں کھڑے کھڑے اپنی ساری طاقت جمع کر کے بمشکل آواز بلند سے عرض کیا'' حضور میں حاضر ہوں''۔ لہٰذا فوراً حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا حضور نے اپنے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے کا ارشاد فرمایا اور ہم دفتر وقفِ جدید کیلئے روانہ ہو گئے۔

اس سے قبل خاکسار کبھی حضور کے دفتر نہیں گیا تھا۔ ایک چھوٹا سا کمرہ جس میں ایک الماری بھی تھی۔ میز کی درازوں میں بے شمار خطوط رکھے تھے۔ حضور نے وہ اکٹھے کر کے مجھے دیئے اور فرمایا یہ ساتھ لے جاؤ اور پھر الماری کھولی اس الماری میں بہت سی مختلف قسم کی چیزیں رکھی تھیں فرمایا۔ یہ وہ تحائف ہیں جو مختلف لوگ مجھے وقتاً فوقتاً بھجواتے رہتے ہیں اور میں یہاں جمع کرتا رہتا تھا اور پھر ربوہ کے غریب لوگوں کی بچیوں کی شادیوں میں یہاں سے حسبِ

ضرورت انہیں بھجواتا تھا۔ خاکسار کو یہ دیکھ بہت حیرت ہوئی کہ اتنا قریبی تعلق ہونے کے باوجود ہمیں یا حضور کے گھر والوں کو بھی اس بات کا علم نہ تھا فرمایا اس سارے سامان کی لسٹ بنالو اور یہ ساری اشیاء مرزا خورشید احمد صاحب کے حوالے کر دو میں باقی ہدایت انہیں دے دونگا۔ دفتر وقفِ جدید سے واپسی پر فرمایا کل سے باقاعدہ دفتر بیٹھوں گا لہٰذا کل صبح تم دونوں میاں بیوی میرے پہلے ملاقاتی کی حیثیت سے دفتر آجاؤ۔ لہٰذا اگلے روز ہم ناچیز غلاموں کو یہ سعادت بھی ملی۔ فالحمدللہ علی ذالک

مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد جب پہلا جمعہ آیا تو حضور نے خاکسار کو پیغام بھجوایا کہ میری فلاں شیروانی استری کر کے بھجوادو۔ جب حضور کی کپڑوں والی الماری کا معائنہ کیا تو کوئی ایسا کپڑا نہ ملا جو حضور کے مقام کے شایانِ شان ہو۔ شیروانی نکال کر استری جو کرنے لگا تو دیکھا کہ اسکا اندرس سکڑ چکا ہے اور وہ کسی طرح سیدھی ہونے میں نہیں آتی۔ خیر جیسے تیسے اس کی کچھ سلوٹیں نکالیں اور بدقت تمام اسکو سیدھا کر کے حضور کو بھجوادی۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہم میاں بیوی نے حضور کی خدمت میں درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو چند شیروانیاں اور دیگر ملبوسات جلدی سے تیار کروالائیں۔ حضور نے اجازت عطا فرمائی۔ جس قدر جلد ممکن ہو سکا کچھ شیروانیاں اور دوسرے جوڑے لاہور سے سلوا کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ کپڑے ملنے پر ان کے بارہ میں حضور نے 24 جون 1982ء کو اپنے ایک خط میں میری اہلیہ کو یہ ارشاد فرمایا۔

''تمہاری طرف سے بہت سے کپڑے ملے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ میں نے تمہاری بات مان لی ہے کہ آئندہ میرے کپڑے تم ہی بنایا کروگی تم میری مان لو کہ ضرورت سے زیادہ کپڑے نہیں بناؤ گی..... اگر تکلف بیچ میں ہو تو زیاں کا خطرہ ہوتا

میں بھی رہا ہوں خلوتِ جاناں میں ایک شام

دربار خلافت کا پہلا دن

ہے مثلاً مبارک بے چارے نے بڑی محنت سے اتنی اچکنیں اکٹھی بنوادیں اور بدقسمتی سے ایک بھی پوری نہ آئی۔ کپڑے بھی بہت قیمتی لئے جو میری عادت اور مزاج کے خلاف ہیں پس بہتر یہی ہے کہ تسلی سے بغیر افراتفری کے معاملہ طے کیا کریں۔ بس وعدہ جو ہو گیا تو اب جلدی کیا ہے۔''

بعد ازاں اپنے ایک اور خط محررہ 1/07/1982 جو آپ نے میرے بیٹے عزیزم مظفر احمد (بکی) کو تحریر فرمایا اور ان ملبوسات کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''.....ایک ہفتہ سے میں نے تمہاری امی کے بھجوائے ہوئے جوڑوں کے سوا اور کچھ نہیں پہنا لیکن ابا بے چاروں کی اچکنیں ابھی تک کسی کام نہ آسکیں۔ جو اچکن ٹھیک ہو کر لاہور سے نمونہ کے طور پر آئی وہ واقعی ایک نمونہ ہے پہلی تنگ بہت تھی اب کھلی اتنی ہے لگتا ہے خالی بوری پہن لی ہے۔''

انتخابِ خلافت کے چند دن بعد تک حضور پُر نور کے مبارک گھر میں قیام کرنے کے بعد ہم دونوں واپس کراچی آ گئے۔ ہماری عجیب کیفیات تھیں جنہیں پوری طرح بیان کرنا ممکن نہیں۔ ایک ایسا وجود جس کے ساتھ ہم اپنے ذاتی اور بے تکلفانہ تعلقات کی بنا پر ذہنی طور پر بہت مانوس ہو چکے تھے اس کے متعلق ایک نئے احساس نے جنم لیا اور آپ کے نئے اور اعلیٰ تر مقام پر فائز ہونے کے باعث ہمارے درمیان حجاب کی ایک بلند دیوار حائل ہوگئی۔ پیار و محبت اور بے تکلفی کے سارے رشتے، ساری ادائیں تقدس کے رنگوں میں ڈوبنے لگیں۔ ہماری تحریروں میں پرانی بے تکلفی کی جگہ عزت و احترام اور خلافت کی عظمت و شان کے رعب کا اثر جھلکنے لگا تو حضور رحمہ اللہ نے کمال شفقت کے ساتھ ہمارے جذبات کا خیال کرتے ہوئے پہلی

سی بے تکلفی کو قائم رکھنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔

ذیل میں چند خطوط کے اقتباسات پیشِ خدمت ہیں جو حضور نے ہمیں مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے معاً بعد لکھے ان خطوط میں حضور انور کی مصروفیات اور قدم قدم اللہ تعالیٰ کے افضال اور رحمتوں کے نزول اور آپ کی دلی کیفیات کا ذکر ملتا ہے۔

خط محررہ 16/06/1982

''پیاری امتہ الجمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی دن سے خط لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں لیکن مصروفیات کی وجہ سے وقت نہیں ملتا رہا مصروفیت پہلے سے زیادہ ہے لیکن خدا تعالیٰ نے اتنے مددگار عطا فرما دیئے ہیں کہ بوجھ اُٹھانے سے پہلے ہلکا کرنے والے ہاتھ آگے بڑھنے لگتے ہیں لیکن اصل توکل اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر ہے وہی ہے جو بوجھوں کو ہلکا کرنے والا ہے۔

تمہارے نہایت پُرخلوص خطوط عہدِ بیعت اور عہدِ وفا پر مبنی ملے تھے جنہوں نے دل کی گہرائیوں سے دعاؤں کے بخارات اٹھائے میں انشاء اللہ ہمیشہ تم سب کو اپنی عاجزانہ دعاؤں میں یاد رکھوں گا۔ خصوصاً اپنی پیاری اوماجی۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔ اس لئے خوش رہو۔''

خط محررہ 23/06/1982

''پیارے مبارک السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے نہایت پُرخلوص (جذبات) اس پہلو سے یقیناً قابلِ رشک ہیں کہ

خلافتِ احمدیہ سے آپ کی خادمانہ وابستگی کے مظہر ہیں۔اللھم زِدفزد۔لیکن ایک پہلو سے میرے لئے شرمندگی کا موجب ہیں تھوڑے شرمندگی کے مواقع پیدا ہورہے ہیں کہ ایک آپ کی طرف سے بھی اضافہ ہوجائے مہربانی فرما کر میرے ساتھ سیدھا سادھا حسبِ سابق سلوک رکھیں تا کہ آپ کے گھر سے مجھے ہمیشہ بے تکلف سکون ملتا رہے۔"

آپ نے 23 جون 1982 کو ایک خط میری اہلیہ کے نام بھی لکھا۔اس خط میں آپ فرماتے ہیں۔

"ہر چند کہ تمہارا جذبہ بے حد قابلِ قدر ہے اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرمائے۔لیکن مجھے حسبِ سابق تم سے بے تکلف روّیے کی توقع ہے۔دل میں خواہ کتنی ہی للہی محبت اور فدائیت اور خادمانہ تعلق کے جذبات ہوں اپنے طرزِ تخاطب کو نہ بدلو....."

23 جون 1982 کو آپ نے تیسرا خط عزیزم مظفر احمد کو بھی لکھا فرماتے ہیں۔

"پیارے بکی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس دفعہ تم سب کو اپنے ہاتھ سے خط لکھ رہا ہوں آئندہ شائد ممکن نہ رہے ہاں تمہاری امی کو انشاء اللہ شوکی کی طرح ہمیشہ ہاتھ سے ہی لکھتا رہوں گا.....تم سب یاد آتے ہو تمہارا خط بہت پیارا تھا لیکن طرزِ تخاطب میرے دل پر بوجھ تھا۔اللہ تمہیں نیک بخت بنائے اور آسمانِ احمدیت پر ستاروں کی طرح چمکو۔خدا حافظ

مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھنا۔شکریہ"

خط محررہ 24/06/1982

"پیاری امتہ الجمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمھارے خط سے بہت خوشی ہوئی اور رونا بھی بہت آیا۔ رونا خصوصیت سے اس ذکر پر آیا جو مجھے بہت عزیز ہے یعنی میری امّی مرحومہ کا ذکر۔ اللہ تعالیٰ جزا دے تم نے اُن کیلئے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی دعائیں کروانے کا وسیلہ پیدا کیا۔

خلافتِ احمدیہ سے تمہاری بے پناہ محبت اور خلوص کو دیکھ کر دل شکر اور حمد سے بھر جاتا ہے الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ میں فی الحقیقت تمھیں جیسا دیکھنا چاہتا تھا۔ تم وہی بن گئیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس دنیا میں اپنی رضا کی جنت نصیب کرے۔ اور تمہارے بدن کا رُواں رُواں تا دمِ آخر اپنے رب سے راضی رہے۔

کام اتنا زیادہ ہے کہ باہر بیٹھے تصور بھی نہیں ہوسکتا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے بوجھ ہلکا کرنے والے اور ہاتھ بٹانے والے محبت اور پیار کرنے والے مددگار اتنے میسّر ہیں کہ خود بخود کام ہوتا چلا جارہا ہے۔ ہاں ایک تنہائی کی تمنا ہے جو حسبِ سابق آج بھی دل میں اسی طرح مچلتی ہے میرے لئے بہت دعا کیا کرو۔"

خط محررہ 14/07/1982

" پیاری امتہ الجمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کل نمازوں اور افطاری اور تلاوت کے وقفہ کے (علاوہ) صبح سے تقریباً سارا دن، رات گیارہ بجے تک دفتر میں گزرتا ہے پھر بھی کام ختم نہیں ہوتا۔ تو بستر پر لیٹ کر جو کاغذات پڑھے جاسکتے ہیں وہ وہاں ساتھ لے جاتا ہوں۔ اس کے باوجود نہ نیند کی کمی کا

کوئی احساس ہے نہ تھکاوٹ ہوتی ہے۔جبکہ خلافت سے پہلے کی زندگی میں رات تک بدن ٹوٹ جایا کرتا تھااور ہمت چور چور ہو چکی ہوتی تھی بعض دفعہ دل چاہتا تھا فضا میں محض ایک سسکی، ایک آہ بن کر تحلیل ہو جاؤں۔اب روزوں کے باوجود ایک معمولی سی کمزوری کے احساس کے سوا پتا بھی نہیں چلتا کہ دن کیسے گزر گیا۔ہاں کبھی کبھی دوپہر کو کچھ تھکن کا احساس ہوتا ہے تھکن کے ایسے ہی احساس میں تمہارا خط ملا............

مجھے یہ معلوم کر کے دلی مسرت ہوئی کہ تم لوگ باقاعدہ شام کو درس پر جاتے ہو اور خوب مزے سے رمضان کی برکتیں لوٹ رہے ہو۔لیکن جو مزہ رمضان کا یہاں ہے باہر اس کا تصور بھی مشکل ہے۔سارا ربوہ ان دِنوں یادِ خدا میں مست ہو چکا ہے سارا ماحول شرابی ہو گیا ہے۔میں دعاؤں میں تم لوگوں کو کبھی نہیں بھولتا تم سب بھی مجھے یاد رکھا کرو۔جزاکم اللہ"

خط محررہ 24/10/1982

"............ جو باتیں تم نے لکھی ہیں تم نہ بھی لکھتیں تو مجھے ایک طرح سے معلوم تھیں۔مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک ملکہ عطا فرمایا ہوا ہے جس سے بسا اوقات بعض اَن دیکھی باتیں دیکھ لیتا ہوں اور اَن کہی سن لیتا ہوں سونگھنے اور محسوس کرنے کی قوت بھی اُس نے محض اپنے فضل سے ایسی تیز عطا فرمائی ہے اکثر انسان اس سے عاری ہیں۔اس لئے جو کچھ تم نے بتایا وہ بطور تصدیق کے تھا نئی معلومات کے طور پر نہیں تھا۔

بعض لوگ اپنی کم نظری اور پست حوصلگی کی وجہ سے بعض دوسروں کو دُکھ پہنچانے کی کوشش کرتے رہے اُن کو اس بات کا علم نہ تھا کہ اُن سے زیادہ وہ مجھے دُکھ پہنچاتے رہے

لیکن مجھ میں برداشت کا حوصلہ کچھ زیادہ ہے اس لئے اُن میں سے بعض کو آج تک علم نہیں کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔

کیا تم نے ایاز کی کہانی سنی ہوئی ہے کہ نہیں۔ لمبی کہانی ہے مختصراً لکھتا ہوں کہ جب محمود نے اُسے عزت بخشی اور بہترین خلعتوں سے نوازا تو وہ اپنے پرانے کپڑوں کو نہیں بھولا اور اُن سے بے وفائی نہیں کی جب تک وہ شاہانہ فاخرانہ لباس سے آراستہ نہیں کیا گیا تھا تو یہی اُس کے باوفا کپڑے تھے جو اس کے تن بدن کو ڈھانپتے تھے اور اپنی کم مائیگی کے باوجود ہر طرح اسے آرام پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ پس ایاز کا جذبہ وفا دیکھو کہ جب ریشم واطلس ومخواب کے ملبوسات اس پر فدا ہونے لگے تو وہ ان سے بے نیاز اپنے پرانے کپڑوں کو اسی طرح محبت اور احترام کی نظر سے دیکھتا رہا بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر جس طرح اس زمانہ میں وہ اُن کی قدر کیا کرتا تھا۔ جب ریشم واطلس ومخواب اس کے وجود ہی سے بے خبر تھے۔

یہ مقامِ ایازیت مجھے اتنا پیارا لگتا ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں اگر یہ ایازیت ہی کسی کا مقصودِ زندگی بن جائے تو بہت ہے لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ایک بے اختیارگی کے عالم میں ایک خودرو قانون کی طرح یہ ایازیت محمودیت میں تبدیل ہونے لگتی ہے۔ بلکہ محمودیت کی طرف جانے والی ہر سڑک ایازیت سے ہو کر گزرتی ہے جب ایاز محمود میں تبدیل ہوتا ہے تو وہ بھی ایاز سے الگ نہیں ہوتا بلکہ ہر محمود کے سینے میں ایک ایاز چھپا ہوتا ہے۔"

☆☆☆

خط محررہ 09/11/1982

''پیاری جمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارے پُر خلوص خط نے میرے دل پر عجیب اثر کیا جو نا قابلِ بیان ہے۔ کاش میں پہلے کی طرح خط لکھ سکتا۔ اوما کی تمھیں پیاری پیاری باتیں کرتا۔ مبارک اور بکی کو چھیڑتا۔ کچھ اپنے دکھ بیان کرتا کچھ تمھارے دکھ بانٹتا لیکن یہ باتیں تو اب قصہ پارینہ ہوگئیں۔ یادوں کے طاق میں سجانے کی تصویریں بن گئیں۔

وہ کون ہے جنہوں نے میرے چھپے ہوئے خط پر ایسا لطیف تبصرہ کیا ہے مجھے تو حجاب محسوس ہونے لگا ہے کہ کیوں الفضل نے میرا وہ خط چھاپ دیا میں تو اپنی ذات میں چُھپا ہوا سب سے اوجھل تنہائی کے مزے لوٹا کرتا تھا۔ ہزار ہا واقف کار تھے لیکن بیٹھنے والے کمرے تک ہی ان کی رسائی تھی۔ دل کے بیڈروم میں تو اِکا دُکا عزیز ہی آیا کرتے تھے۔ خط چھپا ہوا دیکھ کر یوں لگا کہ جیسے اچانک ہجوم در ہجوم لوگ میرے بیڈروم میں داخل ہوگئے ہوں اس اچانک بے حجابی نے سخت حجاب پیدا کر دیا لیکن چُپ ہوں کچھ منصب کی مجبوریاں ہی ایسی ہیں کہ طبعی شرم اور چُھپے رہنے کی تمنا کو قربان کرنا پڑتا ہے دل کے کچھ کمرے تو جماعت کیلئے کھولنے ہی پڑیں گے۔ لیکن کچھ ابھی بھی میں نے تنہائی کے لمحات بسر کرنے کیلئے چھپا رکھے ہیں۔ لوگوں کو کانوں کان ان کی خبر نہیں۔ ہاں اوما اگر آنا چاہے تو اس کو اجازت دے سکتا ہوں بچے تو آزاد ہوتے ہیں نا۔ کھیلتے کھیلتے جہاں چاہیں نکل جائیں.....''

خط محررہ 21/11/1982

''پیاری جمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جب میں لکھتا ہوں کہ خط لمبا ہو گیا اب بس کرتا ہوں تو یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جتنا لکھنا چاہتا تھا اس سے زیادہ لمبا ہو گیا۔ بلکہ محض یہ مطلب ہوتا ہے کہ جتنا لکھنے کی توفیق اس وقت میں سے ملتی ہے جو ہوا کے پروں پر سوار ہے اس کے لحاظ سے لمبا ہو گیا ورنہ میں تو طبعاً خط لکھنے میں کم ہمت نہیں تھا۔ وہی ہوں ناں جس کے خط بعض دفعہ اتنے لمبے ہو جاتے تھے۔ کہ کہنے والے مجھے ''ویلا'' کہا کرتے تھے اس ''ویلے'' کو جیسے ان دنوں دوسرے کاموں کے علاوہ بیسیوں خطوں کے جواب روزانہ دینے ہوتے تھے۔ اب پتا ہے سینکڑوں خطوں کے جواب روزانہ دینے ہوتے ہیں.....

میری خوش نصیبی ہے کہ میرے وقت کا لمحہ لمحہ عظیم اور مقدس مقاصد کی پیروی میں مقید اور مسخر کر دیا گیا ہے۔ جتنا بھی خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں کم ہے لیکن بشری کمزوریوں کے دبے ہوئے نقوش کبھی کبھی سر اٹھاتے ہیں اور ماضی کی فقیرانہ آزادی کے دنوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک کسک سی دل میں اٹھتی ہے اور ''ٹپری واسیوں'' کی طرح اپنا گوبگو پھرنا یاد آجاتا ہے۔ کبھی سندھ کے ڈھورے کے خاردار جنگلوں میں، کبھی خاموش اور سنسان اور کلر کے وسیع میدانوں میں، کبھی نہر کے کنارے بچوں کے ساتھ پکنک مناتے، تیرتے، شور مچاتے، بچوں کے ساتھ بچہ بن کر کھیلتے ہوئے ساری تصویریں آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں تو بشری کمزوری کے نقوش متحرک اور زندہ ہونے لگتے ہیں اور دھڑکنے لگتے ہیں اور ہر دھڑکن ایک کسک بن جاتی ہے۔ وہ ناصر آباد کی نہر کے کنارے بچوں کے ساتھ مل کر تنکے اور لکڑیاں اکٹھے کر کے آگ لگانا

اور کچے پکے تکے بنانا اور تیراکی کے مقابلے وہ بچوں کے پاؤں سے کانٹے نکالنا عجیب دلچسپ فقیرانہ آزادی کا زمانہ تھا جو بھلایا نہیں جاسکتا۔ جو بھلایا نہیں جائے گا۔''

خط محررہ 06/12/1982

''پیاری جمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا نہایت پیارا خط ملا جس میں اوما اور بکی کی باتیں جواہرات کی طرح جڑی ہوئیں تھیں۔ اس وقت میں کاموں کے انبار تلے دبا ہوا ہوں اگر اللہ تعالیٰ صحت اور توفیق نہ عطا فرمائے تو ان سے نبرد آزما ہونا میرے بس کی بات نہیں۔ اس کے باوجود تمہیں خط لکھنے کیلئے وقت نکالنا ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ مبارک کیا تم اور کیا بچے ہمیشہ تم لوگوں نے ایسا خالص اور تصنع سے پاک قدرتی پیار دیا ہے کہ اپنے بھی ایسا کم کرتے ہیں۔ تمہارے گھر ٹھہر کر تو مجھے یوں لگا کرتا تھا جیسے تم لوگ مہمان ہو اور میں گھر کا مالک ہوں۔ اور جب تم لوگ سندھ (ناصر آباد) آتے تھے تو یوں لگتا تھا کہ تم لوگ مالک ہو اور میں مہمان۔

تم سب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتا ہوں وقت کی کمی کا یہ مطلب تو نہیں کہ پیار اور دیرینہ تعلقات بھی کم ہو جائیں۔''

خط محررہ 31/01/1983

''پیاری جمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

..... افسوس کہ تمہیں اس مرتبہ انتظار کی زحمت اُٹھانی پڑی۔ تمہارے دو تین خط سنبھال کر رکھتا رہا کہ ذرا سر کھجانے کی فرصت ملے تو سر کھجانے کی بجائے تمہیں خط لکھ

دوں۔لیکن صبح سے رات تک کام پر کام اس طرح قطار در قطار کھڑے رہتے تھے کہ ان سے نمٹنے کے بعد رات کو کچھ لکھنے کی ہمت نہیں رہتی تھی اور سوتے سوتے غنودگی کے عالم میں اپنے ماضی پر کچھ اچٹتی ہوئی نیند میں ڈوبی ہوئی نظر ڈال لوں۔گزشتہ چند دنوں میں ہر روز یہی کچھ دہرایا جاتا رہا۔یہاں تک کہ ہاتھ سے جواب دینے والے خطوں کی تعداد بڑھتی رہی آج بھی یہی کچھ ہونا تھا کہ رات کام سے فارغ ہو کر تمہارا خط سامنے آ گیا اسی وقت جواب دینے بیٹھ گیا ہوں خدا کرے یہ جلد تم تک پہنچ جائے۔

مبارک میاں کا کیا حال ہے جس دن مبارک سے فون پر بات ہوئی اور میں نے خواب کی بنا پر اپنی پریشانی کا اظہار کیا اس دن مبارک کا خط بھی مل گیا۔جس سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ اسے واقعی اپنے کاروبار کے سلسلہ میں کچھ پریشانی لاحق تھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اس نے خواب میں مجھے اس بات سے مطلع فرما کر دعا کی طرف مائل کر دیا۔مجھے تم لوگوں کا اتنا خیال ہے کہ خواب ہی میں مَیں نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ جب تک پریشانی دور نہ ہو۔ماہانہ تم لوگوں کو کچھ رقم بھجواتا رہونگا۔مگر فون پر مبارک نے تسلی دے دی کہ اب بفضلِ تعالیٰ حالات بہتر ہیں۔

مین نے یہ بات صرف اس لئے لکھی ہے کہ خواہ مہینہ بھر بھی میرا خط نہ ملے کبھی میرے متعلق یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ بے پروائی کر رہا ہوں مجھے تم لوگ دعاؤں میں یاد رہتے ہو.....

تمہارے لئے ایک جائے نماز چُن لی ہے کراچی ساتھ لیتا آؤں گا رات آنسوؤں کے دو قطرے بھی اُس پر ٹپکائے۔"

خط محررہ 06/04/1983

''پیاری جمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا مختصر مگر طویل کبھی نہ ختم ہونے والا خط ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزا فی الدنیا والآخرۃ۔ جس دن یہ خط ملا اس دن تیرہ سو سے زائد اور خط بھی تھے اُن سب میں یہ الگ اور ممتاز تھا.....

بارہا میں نے سوچا ہے کہ فصاحت و بلاغت کس کو کہتے ہیں اور ہر بار اس کے سوا کوئی جواب نہ پایا کہ ''سچائی'' کو۔ سچی عبارت سے بڑھ کر فصیح و بلیغ عبارت اور کوئی نہیں ہوتی جو دل سے اٹھتی ہے اور سیدھا دل میں اتر جاتی ہے اور پھر بسا اوقات دعا کے بخارات بن کر اٹھتی اور آنکھوں سے برستی ہے۔''

خط محررہ 21/04/1983

''پیارے مبارک السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کن وہموں میں مبتلا ہیں۔ میں تو آپ سے بہت خوش ہوں اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ہمیشہ آپ سے راضی رہے۔ آپ کو، جمیل کو اور بچوں کو دعاؤں میں یاد رکھتا ہوں۔ اور گھر کے افراد کی طرح سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو دنیا اور آخرت کی حسنات سے نوازے ہمیشہ آپ سے راضی رہے .....

گھر میں سب کو سلام و پیار۔

کیا آخر جولائی پر دو اڑھائی ماہ کے دورہ پر ساتھ جا سکیں گے..... یا یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔'' (آسٹریلیا کے دورے پر۔ ناقل)

خط محررہ 01/07/1983

''پیارے مبارک احمد اور جمیل

امید ہے تم خدا کے فضل سے خیریت سے ہو گے .....

باقی زندگی کا معمہ کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ تم سلجھا سکو تو سلجھا کر مجھے بھی لکھو۔ ایک طرح تو وقت اس تیزی سے گزر رہا ہے کہ 24 گھنٹے میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ دل چاہتا ہے کہ ٹھہرا کر سمجھاؤں کہ وقت بھائی ذرا تحمل سے، حوصلے سے چلو جلدی کیا ہے کبھی دل چاہتا ہے 24 کی بجائے 48 گھنٹے کا دن ہوتا تو بہتر تھا..... ۔ دوسری طرح دیکھیں تو منزل اتنی دور اور وقت اتنا آہستہ گزرتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ انسان وقت کو ایسے مہمیز لگائے کہ سرپٹ دوڑنے لگے اور پھر بھی طبیعت سیر نہ ہو تو دعا کروں کہ اللہ میاں وقت کو پر لگ جائیں یہ کیا معمہ ہے مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی .....

خط محررہ 14/07/1983

''پیاری جمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جاگتے جاگتے تقریباً نیند کا مزہ ہی بھول گیا تھا جو آتی تھی وہ بھی ایسی نہ تھی کہ نیند کا لطف دے سکے بے خوابی تو نہیں تھی حسبِ سابق جب چاہوں سو بھی سکتا تھا لیکن جتنا وقت ملتا تھا اس میں بھی نیند بیداری سے زیادہ مشابہ تھی آج مگر نیند کو پتہ نہیں کیا سوجھی اور کیوں مجھ پر رحم آ گیا صبح نماز کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ کی نیند ایسی آئی کہ بدن کے ذرّے ذرّے کو تسکین بخش گئی ابھی تک اس نیند کا مزہ میرے بدن میں اسی طرح محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی نہایت لطیف چیز کھانے کے بعد اس کا ذائقہ اور خوشبو منہ میں بسے رہ

جاتے ہیں۔ایک اور عجیب بات یہ ہوئی کہ اتنا وقت بھی مل گیا کہ ناشتے کے بعد نصف گھنٹہ پورے اطمینان سے لیٹ کر سوچنے میں وقت صرف کروں۔آج کی نیند کی مناسبت سے پہلے تو وہ نیندیں یاد آئیں جو سفر کے دوران فراغت پا کر پوری کیا کرتا تھا۔لیکن اب تو وہ نیندیں بھی خواب بن گئیں ہیں جو کم کم آتا ہے۔

سوچتے سوچتے اچانک میں نے محسوس کیا کہ میرے دل کا وہ خانہ بدوش جو مدت سے سویا پڑا تھا۔ بیدار ہو چکا ہے اور مجھے کہتا کہ چلو کہیں اکیلے چلیں۔اسکے بار بار کے اصرار پر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں نے اسے جواب دیا کہ دیکھو کوئی انسان اپنے ماضی کی طرف نہیں لوٹ سکتا۔میں بالکل بے بس اور بے اختیار ہوں۔اس نے مجھے کہا بہت اچھا۔تم یادوں کا سفر تو کر سکتے ہو۔ناں۔اب اٹھ کر دفتر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ایک پرسکون تاریخی سفر کے لئے صرف 15 منٹ مجھے دے دو اور میری انگلی پکڑ کر میرے ساتھ چلو۔میں نے یہ بات اسکی مان لی۔اور ہم ایک عجیب پُر لطف مگر دل گداز سفر پر روانہ ہوئے۔میرے دل کا خانہ بدوش میرے ساتھ بھی تھا مگر پھر بھی میں تنہا تھا۔

اس سفر میں ہم بہت سی پکنک کی مجالس میں اور مسافروں کے قافلوں میں بھی شامل ہوئے مگر پھر بھی میں تنہا رہا۔گزشتہ سفر یورپ کے نقوش پا کی پیروی کرتے ہوئے کچھ عجیب سا تجربہ ہوا۔میرا خانہ بدوش سخت بے چین اور بے قرار تھا۔کہ جلد تر اس سفر کے راستوں سے گزر جاؤں۔کیونکہ کثرتِ ہجوم سے دل گھبرانے لگا تھا۔اور دل چاہتا تھا ہم پھر اکیلے کہیں نکل جائیں۔اچانک ایک جگہ پہنچ کر ہمارے قدم رُک گئے۔اور جی چاہا کہ کچھ دیر آرام سے یہاں سستا لیں۔یہ آسٹریا کا ایک چھوٹا سا خوبصورت گاؤں تھا۔

جس کے ساتھ ایک پُرسکون پہاڑی نالہ بہتا تھا اسکے ساتھ چلتے چلتے جب ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو وہاں ایک سخت جاذبِ نظر پہاڑی مہمان سرائے نظر آئی۔ وہاں بیٹھ کر میں نے کافی پی کیونکہ اپنے دل کے خانہ بدوش کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی تنہا تھا۔ باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی جو شیشوں والی بڑی بڑی کھڑکیوں سے سخت مزے کی نظر آتی تھیں۔ وہاں سے اٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ لیکن گھڑی دیکھی تو میری رخصت کے 15 منٹ ختم ہو رہے تھے باہر بارش میں نکل کر پھر سفر پر روانہ ہوا۔ اور دل یہ چاہنے لگا کہ یہ سفر جاری رہے لیکن 15 منٹ ہو چکے تھے۔

اب میں ہوں اور پھر وہی میری زندگی لیکن کوئی شکوہ نہیں میں سر سے پاؤں تک راضی ہی راضی ہوں اور اپنے بے انتہا محسن رب کے احسانات کے بندھن میں میرا رُواں رُواں جکڑا ہوا ہے اور ذرہ ذرہ سجدہ ریز ہے آج صبح کی نیند اور بعد کے خیالی سفر نے تو لگتا ہے کہ میری صدیوں کی تھکاوٹ دور کر دی ہے۔ سارا بدن گویا سہلایا گیا ہو۔

خط محررہ 09/08/1983

"پیاری جمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج میرا پتہ ہے کیا دل چاہ رہا ہے دل چاہتا ہے کوئی ایسی چابی ملے جس سے ماضی کے دروازے پر پڑا ہوا بوجھل تالا کھول سکوں اور سب سے نظر بچا کر چند ساعتیں چرالوں۔ جو اس چور دروازے میں داخل ہو کر اُن آزاد علاقوں میں صَرف کروں جو کبھی مانوس تھے مگر اب اجنبی ہو چکے ہیں اور ہمیشہ اجنبی رہیں گے۔

لیکن یہ خواہش تو کبھی پوری نہیں ہوسکتی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس اس تالے کی چابی نہیں پس یہ دروازہ ہمیشہ مقفل رہے گا۔

اس سفر میں جو ہمیں درپیش ہے مجھے جماعتی دلچسپی تو بہت لیکن ذاتی دلچسپی تو ذرا بھی نہیں اگر جماعتی نقطہ نگاہ سے ضروری نہ ہوتا تو میں ہرگز ربوہ چھوڑ کر باہر نہ نکلتا۔ ربوہ میں جتنا میرا دل لگتا ہے اور کہیں نہیں لگتا۔ اپنے وجود سے بے خبر دن رات ایسے کاموں میں کھویا رہتا ہوں۔ جو مجھے زندگی سے بھی عزیز تر ہیں۔''

☆☆☆

حضور کی ہمراہی میں سفر یورپ

مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد دوسرے امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے مجوزہ دورہ یورپ کو از سرنو ترتیب دینا تھا۔ کیونکہ بیت الذکر سپین کے افتتاح کے پیش نظر یہ دورہ ایک اہم تاریخی حیثیت کا حامل تھا۔ لہٰذا حضور نے غور وفکر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے منظور کردہ پروگرام اور وفد کو من وعن جاری رکھنے کا فیصلہ فرمایا اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا پسند نہیں فرمائی قبل ازیں یہ ذکر آچکا ہے کہ حضور مارچ 1982ء میں خاکسار اور میری اہلیہ کو قبل از خلافت امریکہ اور یورپ کے اپنے مجوزہ سیاحتی سفر میں ساتھ لیکر جانے کا پروگرام طے کر چکے تھے۔ جس کے لئے تیاریاں ہو رہی تھیں اس سفر میں بیت الذکر سپین کے افتتاح کی بابرکت تقریب میں شمولیت بھی شامل تھی۔ لیکن اچانک صورتِ حال بدل جانے سے ہم دونوں ذہنی طور پر تیار تھے کہ اب ہمارا حضور کیساتھ جانا شائد ممکن نہ رہے۔ لیکن چند دِنوں میں حضور انور کا خط آ گیا جس میں آپ نے فرمایا۔

خط محررہ 23 جون 1982ء

"پیاری امتہ الجمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سفر یورپ کی تیاری حسب سابق کرو میں انشاء اللہ 29 جولائی بروز جمعرات رات کا کھانا تمہارے ہاں (کراچی) کھاؤنگا لیکن شرط یہ ہے کہ ہرگز تکلف نہ ہو۔"

اُسی روز 23 جون 1982ء کو ایک خط حضور نے خاکسار کو بھی اپنے دست مبارک سے لکھا اور فرمایا

''سفر یورپ کی تیاری شروع کر دیں۔ یہ بات فی الحال اپنے تک رکھیں انشاء اللہ 31 جولائی کو جمعہ ہفتہ کی درمیانی رات یعنی ہفتہ کی صبح اڑھائی بجے KLM کے ذریعے روانگی ہوگی۔ پروگرام معین ہونے پر مطلع کرونگا۔ اکثر جگہ آپ انشاء اللہ میرے مہمان ہونگے اور سفر کی سہولت مہیا کرنے میں بھی جو ممکن مدد ہوئی کرونگا۔ ورنہ آپ خود انتظام کر لیں۔ کراچی سے روانگی اکٹھی ہوگی۔ امریکہ کا سفر ممکن نہیں رہا وقت کم ہے۔ انشاء اللہ 10 اکتوبر تک واپسی متوقع ہے ویزے لینے کی کاروائی شروع کر دیں۔''

خط محررہ 6 جولائی 1982

''دوسرے سفر میں ساتھ جانے یا نہ جانے کے متعلق تمہاری پیشکش مجھے بہت پسند آئی۔ دراصل تمہارے متعلق جو میں نے ایک حیرت انگیز خواب دیکھی تھی اس کی تعبیر اب سمجھ آئی ہے۔ پہلے تو ہم یونہی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے اب چاندنی کی طرح کھل کر تعبیر سامنے آگئی ہے۔ اللہ کے رنگ بھی نرالے ہیں۔

لیکن میرا فیصلہ یہی ہے کہ تم لوگ انشاء اللہ ضرور ساتھ جاؤ گے اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہوگا اور انشاء اللہ ہر لحاظ سے یہ سفر خوشگوار اور بابرکت ہوگا۔ ہمارے درمیان تکلف کا کونسا پردہ ہے جو اندیشوں میں مبتلا ہوں اپنی بیٹیوں خصوصاً شوکی پر جس طرح مجھے کامل اعتماد ہے اُسی طرح تم پر بھی ہے نہ میں تمہیں کوئی بات کہنے سے جھجکوں گا اور نہ تم بُرا مناؤ گی پھر بحث کیسی''

لہٰذا ہم حضور کے ساتھ حضور کے ذاتی مہمان کی حیثیت سے اس تاریخی سفر پر روانہ ہوئے روانگی سے قبل خاکسار کی اہلیہ نے حضور کی خدمت میں تحریری درخواست کی کہ آپ کو جو بھی بات غیر مناسب لگے تو بتانے کا تو آپ کے پاس وقت نہیں ہوگا لکھ کر دے دیا کریں۔ رہائش کے اخراجات سے متعلق جو بھی ارشاد ہے مبارک صاحب کو لکھ کر تاکید فرما دیں۔ تاکہ کسی قسم کی کوئی غیر مناسب بات نہ ہو۔ اسی کاغذ پر حضور نے تحریر فرما کر جواب ارسال فرمایا۔

''فیصلہ یہ ہے کہ جہاں تک جماعت کا تعلق ہے۔ رہائش کے ایسے اخراجات جو جماعت کے انتظام میں ادا ہوں وہ مبارک خود اپنا حصہ رسدی خرچ جماعت کو ادا کر کے بری الذمہ ہو جائیں جو انفرادی طور پر ٹھہریں گے وہ تو ویسے ہی از خود ادا کریں گے۔

دوسرا فیصلہ یہ ہے کہ اول الذکر خرچ ادا کرنے کے بعد اس کا حساب رکھیں اور بعد میں مجھ سے وصول کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ چھوٹا سا مہمان نوازی کا موقع مجھے دیکر ممنون فرمائیں۔ میری یہ دلی خواہش ہے۔''

یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل، حضور کی ذرہ نوازی اور ہماری خوش نصیبی تھی کہ اس تاریخی اور مبارک موقع پر جبکہ 7 صدیوں کے بعد سپین میں اسلام کے احیائے نو کی سعادت حضرت اقدس مسیح موعود کے غلاموں کو سیدنا حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاری فیضان کی بدولت مل رہی تھی اور سرزمین سپین میں پہلی بیت الذکر کی تعمیر کا اعزاز نصیب ہو رہا تھا۔ ہم ایسے نابکاروں کو بھی اس بابرکت تقریب میں شمولیت کا اعزاز ملا۔

اِس سفر میں حضور نے سپین کے علاوہ یورپ کے دیگر ممالک ناروے، سویڈن، ڈنمارک، جرمنی، آسٹریا، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ اور انگلستان کا دورہ بھی فرمانا تھا۔ ان تمام ممالک کی

مقامی جماعتوں نے اپنے مشن ہاؤسز اور بیوت الذکر میں مختلف جماعتی پروگرام ترتیب دے رکھے تھے جن میں احباب جماعت کی حضور سے ملاقات، دستی بیعت، مجالس عرفان، پریس کانفرنسز، معززشہریوں کے ساتھ حضور کے عشائیے اور بعض تفریحی مقامات کی سیر شامل تھی۔ ہمیں حضور کی برکت سے جہاں ملک ملک سیر، تفریح اور خوبصورت قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا وہاں طرح طرح کے ایمان افروز اور روحانی مائدوں سے فیض یاب ہونے کی سعادت بھی ملی۔ یہ سب حضور انور کی شفقت اور بندہ پروری کے طفیل نصیب ہوا۔ فجزا کم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

خلافتِ رابعہ کے اس پہلے تاریخی اور بابرکت دورہ یورپ میں حضور رحمہ اللہ سیدہ بیگم صاحبہ مرحومہ اور آپ کی دو کمسن صاحبزادیوں عزیزہ مونا وطوبیٰ کے علاوہ جو جماعت کا وفد آپ کے ہمراہ گیا ان میں صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب، مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید، مکرم محمود احمد صاحب بنگالی صدر خدام الاحمدیہ، مکرم مسعود احمد صاحب دہلوی ایڈیٹر الفضل، مکرم ناصر احمد شیر بہادر مرحوم افسر حفاظت شامل تھے علاوہ ازیں مکرم چوہدری انور حسین صاحب مرحوم امیر ضلع شیخوپورہ اور خاکسار بمعہ اہلیہ ذاتی حیثیت میں شامل تھے۔

یورپ کے ان 9 ممالک کے دورے کے دوران زیادہ تر سفر بذریعہ کار ہوا۔ جن احباب نے ان سفروں میں پیارے آقا کی معاونت کی ان میں مکرم نواب منصور احمد خان صاحب، مکرم نسیم مہدی صاحب، مکرم شریف خالد صاحب آف جرمنی کے علاوہ متعدد دیگر احباب اپنے اپنے ممالک میں شریکِ سفر ہو کر خدمت کا حق ادا کرتے رہے۔

پیارے حضور کی ہمراہی میں کیا ہوا یہ سفر کبھی بھولنے والا نہیں اور اس سفر کی یادیں آج بھی تازہ پھولوں کی طرح مہک رہی ہیں۔ ان ممالک میں بسنے والے احباب کا پیار اور مہمان

نوازی نے دل میں اَن مِٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ میرے نہایت ہی قابلِ احترام بزرگ حضرت چوہدری انور حسین صاحب مرحوم کی باغ و بہار صحبت نے اس طویل سفر کو زندہ و جاوید بنا دیا۔ میرے حضور نے بھی اس سفر کو ہمیشہ یاد رکھا اور گاہے بگاہے اپنے خطوط میں دلچسپ واقعات کا ذکر فرماتے رہے۔ اپنے ایک خط جو حضور نے 20 مارچ 1983 کو میری اہلیہ کے نام لکھا فرماتے ہیں۔

"..... باہر سے خط آتے ہیں ان میں بھی تم لوگوں کا ذکر بڑی محبت سے ملتا ہے مثلاً ناروے سے افتخار صاحب کا خط آیا تھا تم دونوں کو بڑی محبت سے یاد کیا ہوا تھا اور شمالی ناروے کے سفر کی یادیں دہرائی ہوئی تھیں۔ پھر ہمارے چانن کا خط اکثر آتا رہتا ہے اور سفر کے قصے دوہرائے ہیں اسی طرح مونا طوبیٰ سے یا چوہدری انور حسین صاحب سے آسٹریا کی باتیں ہوتی ہیں یا سکاٹ لینڈ کا ذکر چھڑتا ہے تو لازماً تم لوگ بھی اس مجلس میں شامل ہو جاتے ہو۔ ابھی پرسوں ہی کی بات ہے کہ آسٹریا کی پہلی رات کی باتیں چھڑ گئیں کہ کس طرح ہمیں اوپر والے سادہ لیکن نہایت پیاری جگہ پر واقع ہوٹل میں جگہ نہیں ملی۔ ہم نے یہ بھی کہا کہ ہم تو کسی نخرے اور تکلّف کے عادی نہیں اجازت ہو تو ہال ہی میں زمین پر بستر ڈال کر پڑے رہتے ہیں لیکن وہ لوگ نہ مانے۔ پھر ہمیں نیچے اتر کر ایک جگہ تلاش کرنی پڑی۔ دوسرے دن صبح پھر کچھ سیر کے عادی لوگ نماز کے بعد سونے کی بجائے ایک خوبصورت پہاڑی ندی کے کنارے کنارے چلتے ہوئے ایک بل کھاتی ہوئی پہاڑی سڑک پر سے گزرتے ہوئے جو اس تیزی سے اوپر چڑھ رہی تھی کہ دیکھ کر سانس اکھڑتا تھا بالآخر اچانک ایک کھلے گھاس کے میدان میں نکل آئے۔ ٹہلتے ٹہلتے وہاں سے جو ذرا دور نکلے تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ وہی ہوٹل سامنے ہے جسے دیکھ کر آدم

سوئٹزرلینڈ- دورہ یورپ 1982 احباب کے ہمراہ

کا خُلد سے نکلنا یاد آتا ہے۔ ہم نے سوچا خُلد میں رہائش کی اجازت نہ سہی صبح سویرے ایک پیالی کافی پر تو کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہاں بیٹھ کر ایک پیالی کافی کا اتنا مزا آیا کہ سارے سفر کی ساری کافی کی پیالیاں اس کے سامنے ہیچ تھیں۔ باہر پھوار پڑ رہی تھی اسی طرح ہلکے ہلکے بھیگتے ہوئے ہم ناشتہ کے وقت واپس اپنی جگہ پہنچ گئے۔

یہ باتیں جب میں کر رہا تھا تو مونا طوبیٰ کی حالت دیکھنے والی تھی۔ بار بار چیختیں تھیں کہ ابا ہمیں کیوں نہیں ساتھ لیکر گئے۔ میں نے کہا دس بجے تک تم سے اٹھا نہیں جاتا صبح چھ بجے تمھیں ساتھ لے کر جاتے۔

پھر چوہدری انور حسین صاحب کے لطائف چل پڑے اور وہ واقعہ بھی یاد آیا جب وہ مبارک کو بچ کر چلنے (خطرناک اترائی اترتے ہوئے۔ ناقل) کا کہتے کہتے اچانک غائب ہو گئے اور آدھی آواز اوپر سے آدھی فرشِ زمین پر سے آئی۔ ہلکے پھلکے لفافے کی طرح وہ اس طرح زمین پر گرے تھے کہ کوئی دھماکہ پیدا نہیں ہوا اور لیٹے لیٹے ان کی ہنسی کی آواز اس طرح آ رہی تھی جس طرح لفافے میں سے ہوا نکل رہی ہو۔

ان سب یادوں کے زندہ رہتے ہوئے اکٹھے سفر کے بیشمار واقعات کے ہوتے ہوئے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ سفر کے ساتھیوں کو بھلا دے۔''

☆☆☆

﴿ دورہ آسٹریلیا و مشرقِ بعید ﴾

اگست، ستمبر 1983 کے دوران حضور رحمہ اللہ نے آسٹریلیا اور مشرقِ بعید کے چند ممالک کا دورہ فرمایا۔ اس دورہ میں آپ اس عاجز کو بھی مددگار کے طور پر ہمراہ لیکر جانا چاہتے تھے لہٰذا روانگی سے تقریباً چار ماہ قبل اپنے خط محررہ 21/04/1983 میں مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔

''کیا آخر جولائی پر دو اڑھائی ماہ کے دورہ پر ساتھ جا سکیں گے..... یا یہ تکلیف مالایطاق ہے۔''

بعد ازاں اپنے ایک اور خط محررہ 05/05/1983 کو میری اہلیہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''مبارک سے پتہ کرو کیا تین مہینے کے لگ بھگ یا اڑھائی مہینے تک ہمارا شریکِ سفر ہو سکے گا۔ خواہش تو اس کی ضرور ہوگی لیکن سوال پیسے کا ہے اور اس بات کا کہ پیچھے کام کون سنبھالے گا۔ میرا خیال ہے کہ کم و بیش 35 ہزار روپے کا نسخہ تو ہوگا۔ اگر استطاعت نہ ہو تو بے تکلف مطلع کرے .....''

میری بدقسمتی کہ اپنے حالات کی وجہ سے آپ کی بابرکت ہمرکابی سے محروم رہا۔ کچھ ہی عرصہ بعد جب کہ آپ کے اس دورہ کا پروگرام حتمی شکل اختیار کر گیا تو میرے علم میں یہ بات آئی۔ کہ آپ کے ہمراہ حضرت بیگم صاحبہ اور دونوں چھوٹی صاحبزادیوں کے علاوہ صرف مکرم و محترم چوہدری حمید اللہ صاحب تشریف لے جا رہے ہیں اس صورتِ حال پر خاکسار کو بے حد تشویش ہوئی کہ کسی مددگار یا افسرِ حفاظت کے بغیر مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب سفر کی مشکلات و دیگر معاملات کو اکیلے کیسے نپٹائیں گے۔ لہٰذا میں نے حضور رحمہ اللہ کی خدمت میں خط کے

ذریعہ اپنی تشویش کا اظہار کیا نیز تین احباب کے نام پیش کئے اور درخواست کی کہ ان تینوں میں سے جسے حضور رحمہ اللہ پسند فرمائیں ساتھ لے جائیں تا کہ وہ سفر کے دوران حضور رحمہ اللہ کے مددگار رہوں۔ اُن میں مکرم مبارک احمد ساہی صاحب کراچی، مکرم منیر احمد خورشید صاحب کراچی اور مکرم محمود احمد بھٹلر صاحب اسلام آباد کے نام شامل تھے۔

میرے اس خط کے جواب میں مکرم محمد اسلم شاد منگلا صاحب پرائیوٹ سیکرٹری کا فون آیا جنہوں نے میرے خط کا ذکر کرتے ہوئے حضور رحمہ اللہ کا پیغام دیا جو یوں تھا۔

''مبارک سے کہیں کہ وہ فکر نہ کرے اللہ تعالیٰ کے فضل سے کچھ نہیں ہوگا''

آپ کا یہ جواب پا کر میری تشویش میں اور اضافہ ہوا۔ کہ اب صورتِ حال سے نپٹنے کیلئے کیا کروں؟ اسی کشمکش میں دن گزرتے گئے لیکن کچھ بھی نہ بن پایا۔ ایک دن اچانک آپ کا فون آیا۔ لیکن آپ کی گفتگو اس دورہ سے ہٹ کر تھی آخر میں مجھ سے بات ہوئی تو ضمناً فرمایا کہ

''وہ کن کن کے نام تم نے خط میں لکھے تھے''

میں نے فوراً تینوں نام بتائے تو فرمایا۔

''مبارک ساہی سے بات کرلو اگر وہ جاسکتے ہیں تو بتاؤ۔''

میں نے فوراً مبارک احمد ساہی صاحب سے رابطہ کیا اور حضور کے ارشاد کے بارے میں بتایا ساہی صاحب اُن دنوں کراچی کی ایک ٹیکسٹائل ملز میں ملازم تھے جس کا ہیڈ آفس حیدر آباد میں تھا۔ اور مکرم چوہدری نعمت اللہ صاحب ساہی (موجودہ ناظم جائیداد ربوہ) اُن کے آفیسر تھے جن سے اجازت لینا اُن کیلئے ضروری تھا لہٰذا مبارک ساہی صاحب اور خاکسار نے جلد از جلد حیدر آباد جا کر مکرم چوہدری صاحب سے اجازت اور چھٹی لی۔ اور فوراً ہی دربارِ خلافت میں رپورٹ پیش کردی۔ الحمدللہ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرماتے ہوئے اس عاجز کے ضمیر

اور دل ودماغ پر پڑا منوں بوجھ ہلکا کر دیا۔ اور مکرم مبارک ساہی صاحب حضور کے مددگار کے طور پر اس مبارک سفر میں شامل ہوئے۔ الحمدللہ۔ بعد ازاں یہ خبر بھی باعثِ تسکین تھی کہ مکرم چوہدری انور حسین صاحب بھی ذاتی حیثیت سے حضور کے ہمراہ جا رہے ہیں جن کا ساتھ پیارے آقا کیلئے راحت اور فرحت کا موجب ہوتا تھا۔

حضور نے اس دورہ کے دوران مورخہ 20/09/1983 کو ایک خط فجی آئی لینڈ کے شہر Susea سے ہم دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا اس خط کے کچھ حصّے قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں

''یہ خط فجی آئی لینڈ کے دارالخلافہ سَوا سے لکھ رہا ہوں بہت خوبصورت جگہ ہے فجی کے سب قصبے ہی نہایت صاف ستھرے اور خوبصورت ہیں اور ساحلِ سمندر کیساتھ ساتھ صبح کی سیر کا بہت لطف آتا ہے۔ چوہدری انور حسین صاحب، ساہی صاحب اور چوہدری حمید اللہ صاحب سیر پر ساتھ ہوتے ہیں راستہ میں تم لوگوں کے ذکرِ خیر کے مواقع بھی پیدا ہوتے رہے ہیں اور کبھی کبھی مسعود دہلوی صاحب کا ذکر بھی چل پڑتا ہے لیکن آج چوہدری انور حسین صاحب کا موڈ کچھ اور ہی تھا وہ فجی کے صاف ستھرے خوبصورت قصبات اور دیہات دیکھ کر بار بار شیخوپورہ پہنچ جاتے تھے میں نے ایک موقع پر کہا دیکھیں یہ چھوٹا سا ملک بھی بعض لحاظ سے ہم سے بہت آگے ہے تو فرمانے لگے!

''اصل مشکل اے وے کہ ساڈے اوتھے خلقت بڑی اے کسی پنڈ جاؤ، ہارن وجاؤ تے خلقت ایس طرآں بار نکلدی اے جدّاں کُھڈا کُھل گیا ہووے''

کُھڈا انہوں نے اس طرح کہا کہ کُھڈوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم گیا صبح جب اینٹیں سَرکا کر پھٹہ ہٹایا جاتا ہے تو اُن کی آزادی کا منظر دیکھنے والا ہوتا ہے۔

آج صبح سیر کے دوران ایک اتنا خوبصورت پرائمری سکول دیکھا کہ اس نظارے نے قدم تھام لئے ایک نہایت ہی خوبصورت گڑیا کے گھر جیسی پیاری عمارت کو چاروں طرف سے نرم وملائم سبز گھاس کے وسیع میدان نے گھیر رکھا تھا جس میں جگہ جگہ پھولوں کے تخت بچھائے گئے تھے اور رنگا رنگ پھولوں کی کیاریوں نے قیامت ڈھائی ہوئی تھی۔

چوہدری صاحب کی طرف دیکھا تو کسی اور ہی دنیا میں کھوئے ہوئے پایا پوچھا تو پتہ چلا کہ بحرالکاہل کے اُس پار شیخوپورہ میں پہنچے ہوئے ہیں.....

یہ سفر خدا تعالیٰ کی خاص تائید اور نصرت کے ساتھ بہت ہی کامیاب چل رہا ہے۔ تربیت کے علاوہ تبلیغ کے بھی بہت اچھے مواقع میسر آرہے ہیں۔کل ریڈیو فجی نے اردو اور انگریزی میں نصف نصف گھنٹے کے انٹرویوز لئے جو انشاء اللہ اتوار کو نشر کئے جائیں گے۔سخت مصروفیت رہتی ہے البتہ صبح کی سیر اور چوہدری صاحب کی پُر لطف باتیں ٹانک کا کام دیتی ہیں۔اور ہر روز تازہ دم ہو کر ہم کام کا نیا رن شروع کرتے ہیں آج مجلسِ شوریٰ ہے اور ابھی کافی ڈاک دیکھنے والی ہے۔''

☆☆☆

ہجرت سے پہلے آخری خط

خط محررہ 19/03/1984

''کل بلکہ پرسوں سے یہاں موسم بہت ہی خوشگوار ہے راتیں بھی چاندنی ہیں لیکن مجھے سوائے اس کے کہ دفتر کی کھڑکی سے دیکھوں چاند دیکھنے کا بھی موقع نہیں ملتا ویسے تو چاندنی راتیں دنیا کے ہر انسان کو پسند ہیں خصوصاً جب موسم خوشگوار ہو تو اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب نعمت ہر دل کو بھاتی ہے لیکن میری تو بچپن سے یہ ایک خاص کمزوری ہے لیکن اب تو یہی کر سکتا ہوں کہ بچوں کو کہہ دیتا ہوں کہ تم لوگ باہر نکل کر ٹہلو تو مجھے بھی یاد کر لیا کرنا۔

مصروفیت کا ایک مزہ ضرور ہے کہ دن ہفتوں میں ہفتے مہینوں میں اور سال سالوں میں اس تیزی سے بدلتے ہیں کہ کسی مقام پر ٹھہر کر بور ہونے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ یہ نقطہ بھی سمجھ آ گیا کہ بہتے پانی میں سڑانڈ کیوں پیدا نہیں ہوتی سڑانڈ بوریت کا ہی دوسرا نام ہے۔

ابھی اوپر کا فقرہ ختم ہی کیا تھا منگلا صاحب پہنچ گئے کہ ملاقاتی انتظار میں بے چین ہو رہے ہیں اس لئے جلدی چلیں اب اجازت چاہتا ہوں۔

جانتا ہوں کہ تمھاری پسند کا خط نہیں لیکن تم نہیں جانتی کہ خود میری پسند کا بھی یہ خط نہیں۔ اپنی پسند کے خط لکھنے کیلئے مجھے ماضی میں لوٹنا ہوگا۔ لیکن ماضی تو درکنار مستقبل کی جانب گھومنے والا پہیہ تو مجھے اپنے حال کی بھی خبر ہونے نہیں دیتا۔''

ہجرتِ انگلستان

1984ء میں اُس وقت کے حکمران نے ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعہ جماعت احمدیہ کو اسلامی عقائد پر عمل پیرا ہونے سے جبراً روک دیا۔ اس صدارتی حکم کے باعث پاکستان میں رہ کر امام جماعت احمدیہ کیلئے اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی ناممکن ہوگئی۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضور نے جماعت کے صاحب الرائے احباب کو مشورہ کیلئے طلب فرمایا۔ ان احباب نے آپ کو انگلستان ہجرت کا مشورہ دیا۔ احباب کا یہ فیصلہ ہمارے دل و جان سے پیارے آقا کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ کیونکہ اس شیرِ خدا نے تو ساری زندگی خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا دوسرے اپنے وطنِ عزیز اور پاکستان کے طول وعرض میں پھیلی جماعت سے غیر معینہ مدت کیلئے دوری کا تصور آپ کیلئے ناقابلِ برداشت تھا۔ لیکن آپ کی دور اندیشی اور جماعت کو کسی بڑی ابتلاء سے محفوظ رکھنے کی خاطر آپ نے احباب کا یہ مشورہ قبول فرمالیا۔

آپ مورخہ 30 اپریل 1984ء کو ہمراہ بیگم صاحبہ اور دو چھوٹی صاحبزادیوں کے بذریعہ کار ربوہ سے عازمِ کراچی ہوئے۔ جہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز چند احباب کے ہمراہ لندن کیلئے روانہ ہوئے۔ جہاز کی روانگی سے قبل کراچی ائیر پورٹ پر جو خدا تعالیٰ کی معجزانہ تائید ونصرت کے اعجازی رنگ آپ نے اور آپ کے ہمسفر احباب نے دیکھے انکی تفصیل بارہا لکھی جا چکی ہے آپ مورخہ یکم مئی 1984ء کو خدا تعالیٰ کی خاص حفاظت میں لندن پہنچے۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ

ہم کراچی میں رہتے ہوئے بھی اس صورتِ حال سے بے خبر تھے۔ آپ جب بخیریت لندن پہنچ گئے تو ہمیں بھی اطلاع دی گئی۔ یکدم ایک غیر متوقع خبر سن کر غم اور خوشی کے ملے جلے جذبات پیدا ہوئے۔ خوشی اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اپنی حفاظت میں آپ کو ہر ابتلاء سے محفوظ رکھتے ہوئے منزلِ مقصود پر پہنچایا اور غم اس بات کا کہ ہم ایک عظیم الشان نعمت سے عارضی طور پر محروم ہو گئے۔

میرے آقا کو احباب جماعت احمدیہ سے ایک لازوال محبت تھی۔ اسی طرح آپ کو اپنے وطن اور اپنے مرکز ربوہ سے بھی شدید محبت تھی۔ قبل از خلافت جب آپ ربوہ سے جماعتی دوروں پر روانہ ہوتے تو کچھ دن بعد ربوہ واپس جانے کی خواہش شدت اختیار کر جاتی اور فرمایا کرتے ''جیسے ہی میں واپس ربوہ پہنچتا ہوں مجھے بے حد سکون ملتا ہے زیادہ دیر ربوہ سے دور رہنا بہت ہی اذیت ناک ہوتا ہے۔'' لہٰذا لندن ہجرت نے ایک لمبے عرصہ تک آپ کو بے چین رکھا۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ بحیثیت خلیفۃ المسیح فرائض کی انجام دہی اور احباب جماعت انگلستان کی بے پناہ محبت آپ کو ہمت دلاتی اور آپ نے وطن سے دور ہوتے ہوئے بھی اپنے عہدِ خلافت میں اَن گنت فتوحات حاصل فرمائیں وہ اللہ تعالیٰ کی آپ کے ساتھ خاص تائید اور نصرت کا ایک بین ثبوت ہیں۔ بعد از ہجرت حضور رحمہ اللہ نے اپنی دلی کیفیات کا اظہار اپنے خطوط میں کیا۔ ہجرت کے معاً بعد آپ کے دو خطوط جو آپ نے مجھے اور میری اہلیہ کو مخاطب فرماتے ہوئے لکھے ان کے عکس پیشِ خدمت کر رہا ہوں۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

The London Mosque

16 GRESSENHALL ROAD : PUTNEY : LONDON SW18 5QL TEL: 01-874 6298 01-874 7590 TELEX: 28604 REF. 1292 CABLES: ISLAMABAD LONDON

REF..........

DATE 7.5.1363
1984

پیارے عزیزان امۃ الجمیل، مبارکہ، محمود

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ دونوں کے خطوط ملے جو میری اداسی
میں اضافہ کر گئے کیونکہ آپ نے ذکر کیا تھا کہ آپ
ہی نہیں ساری جماعت ایک پہلو سے مطمئن ہونے کے
باوجود میری جدائی سے بہت اداس ہے۔ ہر چند
کہ یہ جدائی عارضی ہے لیکن جن حالات میں پاکستان
کے مظلوم احمدیوں کو چھوڑ کر آیا ہوں اس
جدائی کا بطور خاص میرے دل پر بوجھ ہے۔
اب جب کوئی لکھتا ہے کہ ہم اداس ہیں
تو مجھے سمجھ آجاتی ہے کہ زخم پر نمک پاشی
کسے کہتے ہیں۔ میرے اپنے دل کی اداسی پر ان
کی اداسی کا احساس دل میں ایک عجیب کیفیت

پیدا کر دیتا ہے جسے وہی سمجھ سکتا ہے جو اس
کا تجربہ رکھتا ہو۔ تاہم اللہ کے فضل نے میرے
دل کو جو ڈھارس دے رکھی اس کے نتیجہ میں مردانہ
وار ہر ابتلاء سے سر اٹھا کر نکلنے کی طاقت
اپنے اندر رکھتا ہوں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ
یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا ہی فضل ہے ورنہ میں
کیا اور میری جبلی طاقتیں کیا۔

یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ کاموں کی زیادتی
مجھے جذبات کی عام دنیا میں گھومنے پھرنے کی بہت کم
اجازت دیتی ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ اپنے
فضل سے سلطان نصیر عطا فرما رہا ہے۔ اور جس کے سپرد
جو کام کرتا ہوں انتہائی سپردگی کے جذبہ کے ساتھ
خلوص اور قربانی کا مرقع بنتا جاتا ہے۔ اس
عدیم الفرصتی کے باوجود پاکستان میں ہونے والے ہر
ظلم کی اطلاع دل پر تازہ زخم لگاتی اور پہلے زخموں کو
تازہ کرتی ہے۔ یہاں ایسی کوئی خبر نہیں جو میرے عزم اور
حوصلہ کو زخم لگا سکتی ہو۔ بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
The London Mosque
16 GRESSENHALL ROAD : PUTNEY : LONDON SW18 5QL TEL: 01-874 6298 01-874 7590 CABLES: ISLAMABAD LONDON
REF........ TELEX: 28604 REF. 1292 DATE..........

عزم کا دل بڑھا دیتی ہے۔ میں اپنا سارا وجود اور ساری طاقتیں اپنے رب کے حضور پیش کر چکا ہوں اور اُسی پر میرا توکل ہے۔ وہی میرا وکیل اور وہی مرا مولیٰ ہے اور مزید آزمائشوں کے مختصر دور کے بعد اپنی قدرت نمائی کے جلوے دکھائے گا۔

میں دعائیں کرو اور دعاؤں کی تلقین کرتے رہو صبر کرو اور صبر کی تلقین کرتے رہو۔ یہی مبارکہ کے نام میرا پیغام ہے۔ ساری جماعت اپنے اندر ایک روحانی انقلاب برپا کرے اور اللہ کے در کی فقیر ہو جائے۔ خدا کی قسم ہم مزید کامیاب ہوں گے۔ عظیم الشان فتوحات ہمارے مقدر میں لکھی جا چکی ہیں۔ کوئی نہیں جو آسمان پر ہونے والے فیصلوں کو ٹال سکے۔

مبارکہ کو محبت جزاکم اللہ اور نبیلہ اور عطا اور عیسیٰ کو پیار۔ بریگیڈیئر صاحب اور مسز وہاب اور دوسرے سب احمدی بھائیوں بہنوں کو محبت جزاکم اللہ اور بچوں کو

پیارے ۔

پاکستانی احمدیوں پر ہونے والے مظالم کا خیال آتا ہے تو ایک درد کا ایک تیر سینے کے آر پار ہو جاتا ۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی ساری جماعت سے مجھے عشق ہے لیکن پاکستان کے مخصوص حالات کی بناء پر تو میرا دل ان مظلوموں کی محبت میں ہر وقت چھلکتا ہی رہتا ہے ۔

میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ میرے دل کی کیا حالت ہے ۔ وہ جو مجھے صبح شام ملتے ہیں ان کو بھی میرے پورے حال کی خبر نہیں پھر وہ جن کی زیارت سے میں محروم بیٹھا ہوں انہیں کیسے پتہ چلے گا کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے ۔ ہاں ایک اللہ ہے جو میرا مونس اور ہمدم میرا رفیق ہے ۔

تنجیب کے پردوں میں جب وہ مجھے ڈھانپ لیتا ہے تو میں اس سے سرگوشیاں کرتا ہوں ۔

والسلام خاکسار

مرزا طاہر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
The London Mosque

16 GRESSENHALL ROAD : PUTNEY : LONDON SW18 5QL   TEL: 01-874 6298 / 01-874 7590   TELEX: 28604 REF. 1292   CABLES: ISLAMABAD LONDON

REF..........   DATE 19.5.1363
1984

پیاری عزیزہ جمیل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا جانے کتنی اداسیاں سمیٹے ہیں یہ تمہارا
فاصلہ۔ کبھی میرا بھی تو خیال کرو کہ جس کے سینے میں
لکھوکھہا خلوصوں کی اداسیاں سمٹ آئی ہیں۔ اب
تو ہنسی بھی آتی ہے تو لگتا ہے جرم کر رہا ہوں۔
لیکن زندگی کے تقاضے پورے کرنے ہی پڑتے ہیں
میرا خط تو تمہیں ابھی نہیں ملا ہوگا۔
یا شاید اب مل چکا ہو۔

اللہ تم سب کو ہمیشہ خوش رکھے اور
میری آنکھیں ایک ایک فرد جماعت کی طرف سے
ٹھنڈی رکھے۔ غم کا طوفان جتنا بلند ہے اس
سے بڑھ کر حوصلے بلند رکھو۔ جب میرے مولا کی
نصرت آئے گی تو یہ سب باتیں خواب دکھائی دینے

سکینہ کی اور اپنی بے حد پیاریوں پر شرم آتی ہے کی ۔

ہمارا اللہ پیارا سب کو سلامت رکھے ۔

مبارک کو محبت پیار سلمیٰ اور سکی

اور ما[illegible] اور عیشی کو پیار ۔

مبارک نے ابھی تک میری فون کے نمبروں

کی کاپی نہیں بھیجی ۔ میری ڈائری کی کاپی فوراً فوراً

بھجوا دے مجھے سخت ضرورت ہے ۔

جزاک اللہ احسن الجزا

دسمبر ۲۰۰۱

مرزا طاہر

خط محررہ 24/05/1984

''پاکستان کے سبھی خط مجھے لذتِ گریہ عطا کرتے ہیں اور اس احساس پر میں لکھنے والوں کو دعائیں دیتا ہوں۔ کبھی ایسے دن بھی کسی نے دیکھے یا سنے تھے۔ سب ملنے والوں کو نہایت محبت بھرا سلام۔ ناصر باجوہ صاحب کو بھی جن کی ایک رویا نہایت صفائی سے پوری ہوئی۔''

خط محررہ 3/06/1984

''اب تو زندگی ایک مجسم انتظار بن چکی ہے نصرت باری کی راہ میں ہمہ وقت آنکھیں بچھائے پڑا ہوں۔ پاکستان اور ربوہ کے لئے دل ہر وقت بے قرار رہتا ہے۔ بہت دعائیں کیا کرو۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے اور اس کے سوا کسی اور پر حال دل کھولنے کی ضرورت بھی تو نہیں۔ آخر کب تک وہ مجھے اس حال میں تڑپنے دے گا۔ میں تو ہر حال میں راضی ہوں اور ایک عاجز بندہ ہوں مگر یقین نہیں آتا کہ وہ مجھے زیادہ دیر ایسی حالت میں پڑا رہنے دے۔''

حضور نے 11 جون 1984ء کو لندن سے چار صفحات پر مشتمل ایک خط لکھا جس میں مذکورہ صدارتی آرڈیننس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا۔ اس آرڈیننس کے وجہ سے جو صورتِ حال پیدا ہوئی اور خلیفۃ المسیح کو اپنے فرائض کی انجام دہی سے روک دیا اس خط کے اقتباسات پیش کر رہا ہوں۔ حضور فرماتے ہیں۔

''حضرت اقدس مسیح موعود کا ایک الہام ہے

''عید تو ہے چاہے کرو یا نہ کرو''

اس کے بہت سے مطالب ہیں ایک مطلب تو شائد اُن جذبات پر اطلاق پاتا ہے جن کا

تم نے اظہار کیا ہے۔..... کچھ بداردے اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہولناک تھے جن سے خدا تعالیٰ نے جماعت کو محفوظ فرما دیا اور ایک بہت بڑے ابتلاء سے بچالیا اس بارہ میں اگر تم پوری طرح سمجھ نہ سکو تو انشاء اللہ عند الملاقات بتاؤں گا۔

مجھے لگتا ہے میری گریہ وزاری کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا ہے اور میری سخت دردناک حالت پر رحم کی نظر فرمائی ہے۔ گزشتہ دو تین دن سے یہ کیفیت ہے کہ یہ احساس بڑھتا جا رہا ہے کہ آسمان پر کچھ تیاریاں ہو رہی ہیں اور ساعت قریب آتی جاتی ہے۔''

خط محررہ 23/06/1984

''میرے دل کی حالت کے تصور میں تم نے جو اپنے دل کی حالت بنالی اس کے ذکر نے مجھے اور بھی درد آشنا کر دیا۔ لیکن ابھی میرا حال تم پر پوری طرح روشن نہیں بس ایک کے سوا کسی پر بھی نہیں۔ پاکستان کی ڈاک پڑھتے ہوئے کسی دن مجھے دیکھ لو تو بہت میرے لئے دعائیں کرو۔

.....اچھا خدا حافظ مبارک اور بچوں کو بہت بہت پیار۔ سب ملنے والوں کو نہایت محبت بھرا اسلام۔ میرے دل کو تو تبھی چین نصیب ہوگا جب ساری جماعت کو چین نصیب ہوگا۔ دیکھیں کب فرمانِ الٰہی جاری ہوتا ہے۔''

خط محررہ 12/08/1984

''شدید مصروفیات کے باوجود بعض دفعہ اداسی اتنی ہو جاتی ہے کہ سمجھ نہیں آتی کہ کیا کروں۔ احمدیت کے خلاف یک طرفہ بکواس اور ظلم و ستم اور پاکستان .....

..... کے مظلوم احمدیوں پر جو ستم ڈھاتی ہوں گی اس کے تصور سے بھی میرے وجود کا ذرہ ذرہ بے قرار ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بے قراری میرے عزم اور حوصلہ کو کم کرنے کی بجائے اور بھی زیادہ ان میں شدت پیدا کر دیتی ہے۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ مجھے آخری سانس تک احمدیت کے دشمنوں سے لڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور میرے پیارے ساتھیوں میں ایک لمحہ بھی کمزوری پیدا نہ ہو۔ اور مریں تو میدان جہاد میں تیرے قدموں پر سر رکھ کر سُرخرو ہو کر مریں۔ آجکل تم بھی یہی دعا زیادہ تر کرو۔"

خط محررہ 17/09/1984

"..... دل کی ان دنوں عجیب کیفیت ہے کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوش خبری ملتی ہے تو چند دن اچھے گزر جاتے ہیں پھر اداسی اور فکریں آ گھیرتی ہیں اللہ بھلا کرے کام کا جو ختم ہونے میں نہیں آتا اور میری توجہ کو ہر وقت کھینچے رکھتا ہے۔ ورنہ یہ کام میرے کام نہ آتا تو میرا تو کام ہو جاتا ..... دعا کرو جلد یہ دن روشن ہو جائیں ان کی تاریکی تو راتوں کو شرما رہی ہے۔ یہ ظالم اگر باز نہ آئے تو خدا کی پکڑ ان پر بہت بھاری ہوگی۔ خدا کرے جلد اس اندھیرے سے روشنی کی کرن پھوٹے اور جوق در جوق لوگ احمدیت میں داخل ہوں۔ اب احمدیت کے سوا اس ملک کے لئے کیلئے کوئی نجات کی راہ نہیں۔

خط محررہ 1985

" جلسہ سالانہ پر اور میرے بے تکلف اندازِ تخاطب پر تمہارا تبصرہ بہت دلچسپ ہے۔ کسی اور نے بھی یہ تبصرہ کیا ہوتا تو دلچسپ ہوتا مگر تم نے کیا ہے اسلئے اور بھی اچھا لگا۔

جزاکم اللہ واحسن الجزاء پہلے دن تو دو گھنٹے ہی میں میرے پاؤں سُن ہو گئے تھے۔ اسلئے بیٹھنا پڑا مگر آخری دن تو پونے پانچ گھنٹے کھڑا رہنے کے باوجود اللہ کے فضل سے کوئی تھکاوٹ نہ ہوئی لوگوں کی تکلیف کا احساس مجبور کرتا تھا ورنہ اس مضمون پر تو بلا تکلف دو تین گھنٹے اور خطاب ہو سکتا ہے۔ آجکل تو میں اپنی صحت کا خیال ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ حضرت اقدس مسیح موعود کی پیاری جماعت کی امانت کے طور پر رکھ رہا ہوں روزانہ صبح نماز کے بعد پانچ میل تیز قدموں کے ساتھ سیر کرنے کے علاوہ گھر پر نصف گھنٹہ ورزش کرتا ہوں۔ اور اللہ کے فضل سے مستعد اور مضبوط ہوں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ

یہ بات تم نے بالکل سچ لکھی ہے کہ وہاں کئی سالوں میں جو کام نہیں ہو سکتا تھا یہاں ایک سال میں خدا تعالیٰ نے اتنا کام کرنے کی توفیق بخشی اور باتوں کے علاوہ زیادہ کام کرنے کا محرک حکومت پاکستان کی سخت ظالمانہ اور جاہلانہ حرکات ہیں جو استعداد بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرما رکھی ہے سب کچھ اس راہ میں جھونک رہا ہوں۔ اور دن رات عاجزانہ دعاؤں سے بھی مدد مانگتا رہتا ہوں۔ اسلئے سخت جذباتی تکلیف کے باوجود یہ سودا درحقیقت مہنگا ہے تو دشمنانِ احمدیت کے لئے ہے ہمارے لئے نہیں۔ تبھی حسد کی آگ میں یہ لوگ اور بھی جلے جاتے ہیں لیکن کچھ پیش نہیں جاتی۔''

خط محررہ 10/03/1985

''..... میری دلی آرزو تو یہی ہے کہ کل کی بجائے آج ہمیں فتح و نصرت کے ساتھ واپسی نصیب ہو۔ مگر اللہ کی حکمتِ بالغہ بہتر جانتی ہے کہ ہماری اصل بھلائی کس چیز میں ہے اور اس انقلاب کے لئے زمین کتنی دیر میں تیار ہوگی جس کے لئے یہ

سارے کاروبار ہورہے ہیں۔ یہ ابتلاء بہر حال انشاء اللہ عظیم الشان فتوحات پر منتج ہوگی۔ اس میں تو کوئی شک نہیں مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہے یہ بہت صبر آزما۔ اللہ ہمارے صبر کا حوصلہ بڑھادے اور برداشت کو نا قابلِ تسخیر قوت عطا فرمائے اور جلد تر رحم اور فضل اور فتح وظفر لے کر آئے۔"

خط محررہ 25/03/1986

"..... ان خطوں کے جواب میں میری طویل خاموشی پر اگر تم ناراض بھی ہوگئی ہو تو حق بجانب ہو لیکن میں بھی سخت مجبور اور بے اختیار ہوں پاکستان میں بسنے والے اپنے پیاروں کے دُکھ میری رگ رگ میں سرائیت کئے ہوئے ہیں۔ بظاہر اپنی خوشی کی ایک ..... زندگی بسر کر رہا ہوں۔ ساتھ ہی جب اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضلوں اور رحمتوں اور ہر آن آسمان سے برسنے والی نصرت پر نگاہ کرتا ہوں۔ تو سخت ڈرتا ہوں کہ میرے دل کی بے چینی کہیں ناشکری کے مترادف نہ ہو۔ گویا دل ایک طلسم پیچ و تاب بنا ہوا ہے جسے دکھا دکھا کر اللہ سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں تم بھی میرے لئے بہت دعائیں کیا کرو۔"

میری اہلیہ نے دفتر کی طرف سے لکھے جوابات موصول ہونے پر ایک انداز میں شکوہ کیا تو میرے آقا نے نہایت پیارے انداز میں اپنے دست مبارک سے خط لکھتے ہوئے اسکو درج ذیل جواب دیا۔

خط محررہ 14/06/1986

".....میرا بھی دل چاہتا ہے کہ خط اپنے ہاتھ سے لکھوں اور جن کو میرے ہاتھ

سے لکھے ہوئے خطوط کی عادت پڑ چکی ہے ان کے حقوق ادا کروں مگر کیا کروں کہ اب مجھ پر حقوق محض انفرادی تعلق والوں ہی کے نہیں رہے بلکہ یہ دائرہ اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں جان بھی دے دوں تو حق ادا نہ ہو سکے۔ تمہارا سارا گھر مجھے بہت عزیز ہے تم سب بھی میری مجبوریوں پر نگاہ رکھو اور اپنے احساس محرومی کو شکووں میں ڈھالنے کی بجائے میرے لئے درد بھری دعاؤں میں تبدیل کر دیا کرو۔ مجھے ان دعاؤں کی ضرورت بھی تو بہت ہے۔"

خط محررہ 16/11/1986

" ..... ذمہ داریوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ماضی کی آزاد فضا کی یاد کے جھونکے یوں لگتے ہیں۔ جیسے پسِ زنداں کسی قیدی کو روزنِ زنداں سے نسیم سحر کا جھونکا پہنچ جائے۔ کبھی میں سوچتا ہوں کہ۔ اَلدُّنیَا سِجنٌ لِلمُؤمِنِ کی حدیث کتنی گہری اور وسیع ہے ایک غیر مرئی قید خانہ میں زندگی بسر کرنا جس سے باہر کی دنیا صاف دکھائی دیتی ہو اور کوئی ٹھوس دیوار راہ میں حائل نہ ہو مومن کی ایک ایسی تعریف ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور احسان کے سوا کسی پر صادق نہیں آسکتی۔"

خط محررہ 20/05/1987

" ..... اس سے پہلے بھی ایک خط ملا تھا جو خط سے زیادہ خواب دکھائی دے رہا تھا کئی مہینے ہو گئے۔ خیال تھا کہ خود جواب دوں لیکن مصروفیات کا دھارا کفِ برلب اس تیزی سے آگے بڑھائے لئے جا رہا ہے کہ سکون کے چند لمحات چرا کر خط لکھنا خواب کی باتیں لگتیں ہیں۔

تمہاری مبارک اور بچوں کی عیدی انشاء اللہ ضرور پہنچے گی مگر خدا کرے کوئی جانے والا مل جائے جو عید سے پہلے پہنچا دے بہر حال تم سب کیلئے محبت بھری عید مبارک۔"

خط محررہ 18/10/1988

".....مشرقی افریقہ کا دورہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت مفید رہا..... واپسی کے بعد مصروفیات بہت رہیں جو ابھی تک چل رہی ہیں۔ اس لئے لمبے خط کا سوال نہیں۔

پرسوں لجنہ کے اجتماع میں شمولیت کے لئے ایک دن کے لئے بی بی اور بچیوں کو ساتھ لے کر اسلام آباد گیا تھا۔ راستے میں نظموں کی ایک ٹیپ لگائی تو پتہ چلا کہ غلام سرور صاحب شیخوپورہ نے میری فرمائش پر فیض مرحوم کی بعض غزلیں ریکارڈ کروا کر بھجوائیں تھیں۔ غزلوں کا انتخاب میں نے خود کیا تھا۔ کچھ تو اس لئے چنی تھیں کہ پاکستان کے حالات پر چسپاں تھیں اور میرے پیارے مظلوم احمدیوں کی یاد تازہ کرتی تھیں بعض تو ایسی ہیں کہ لگتا ہے جیسے فیض نے ہمیں ہی موضوعِ سخن بنایا ہو۔ کچھ پرانے زمانے کا اپنا پسندیدہ کلام بھی منتخب کیا۔ تمہیں بھجوا رہا ہوں .....آخر پر اس نے پنجابی کی نظمیں جگہ بھرنے کی خاطر بھر دیں تھیں۔ ان کی بجائے میں نے نسیم شیخ کی آواز میں "اسلام سے نہ بھاگو" نظم ریکارڈ کرا دی ہے۔ یہ نظم تو میری جان ہے۔

اچھا خدا حافظ"

خط محررہ 05/04/1989

"تمہارا بہت ہی پیارا خط ملا جس میں تم نے خوب نقشہ کھینچا ہے کہ کراچی کی جماعت نے کس مزے اور کیسی ناقابلِ بیان روحانی لذت کے ساتھ جماعت احمدیہ کے صد سالہ جشنِ تشکر منانے کا آغاز کیا۔ ایسا دلربا نقشہ تم نے کھینچا کہ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے تم لوگ دیکھائی دینے لگے تمہاری خوشیوں میں مَیں برابر کا شریک ہو گیا۔ تمہارے دل کی دھڑکن میرے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ہم آہنگ ہوگئی۔ فاصلے مٹ گئے وقت کی خلیجیں پاٹ گئیں میں کھویا گیا۔ یادوں میں ڈوب گیا ایک لمبے عرصہ کے بعد جب غوطہ سے باہر آیا تو سارا بدن بھیگا ہوا تھا۔

حضرت اقدس مسیح موعود کی ساری جماعت ہی مجھے محبوب ہے لیکن بعض جماعتیں تو بہت ہی پیاری لگتی ہیں۔ جن کی یاد دل کو درد کے مزے دیتی ہے جماعت کراچی بھی ان ہی میں سے ہے۔ وہ تو بہت تھوڑے ہیں جن کا تم نے ذکر کیا۔ وہ تو بہت زیادہ تھے مجھے بہت یاد آئے۔ اب بھی میری محبت کے آنسوؤں میں وہ چہرے جھلملا رہے ہیں۔

تمہیں پتہ نہیں کہاں سے تصویر کشی کی طاقت مل گئی میری تو پیش نہیں جا رہی میں کیسے بتاؤں کہ مجھے خدا کی یہ پیاری جماعت کتنی پیاری لگتی ہے آنکھوں میں تصویریں جمائے خود ایک خاموش تصویر بنا بیٹھا ہوں۔

اب میں کچھ اور نہیں لکھ سکتا تم سب کو میرے محبت بھرے سلام اور دل کی گہرائی سے نکلی دعائیں پہنچیں۔"

خط محررہ 24/04/1989

''تمہارا نیا خط بھی پہلے خط کی طرح بہت دلربا نظارے لے کر آیا۔ جو لفظ تم نے خط میں ڈالے میری آنکھیں بن گئے تم سب کو للہی محبت کے جذبے سے سرشار میں نے دیکھا تو میرا دل جذبات کے تشکر سے بھر گیا۔ تمھیں اور تمہاری ساتھنوں کو جب میں نے اتنے پیار سے... (بیت الذکر۔ ناقل) دھوتے ہوئے دیکھا تو مجھے یوں لگا جیسے کوئی میرا دل دھو رہا ہے۔ تمھیں دعائیں دیتے ہوئے دل کی طرح میری آنکھیں بھی بار بار بھیگ جاتی تھیں.....

..... تم نے بہت اچھا کیا جو ساتھ خدمت کرنے والیوں میں سے ایک ایک کا نام لکھ دیا۔ ایک ایک کو میری طرف سے محبت بھرا اسلام۔ اور جزاکم اللہ۔ اور نئی صدی کی سو سو مبارکبادیں پہنچا دو۔ کام کرنے والیوں کا سب کا پتہ چل گیا ہے لیکن کام کا حسن دیکھ کر رونے والی آپا سارا کا پتہ نہیں چلا یہ کون ہیں؟ (آپا سارا مرحومہ زوجہ مکرم کرنل محمد صادق ملک لجنہ اماللہ کراچی کی ایک نہایت بزرگ خاتون تھیں۔) اچھا خدا حافظ۔ نئی صدی کے پہلے رمضان میں تم سب کو بہت بہت مبارک ہو خدا کرے یہ جماعت کیلئے اتنی برکتیں لائے کہ اس ساری صدی پر محیط ہو جائے۔''

خط محررہ 16/04/1990

''اب تمہیں خط لکھے واقعی اتنی دیر ہو چکی ہے کہ وقت کا حساب نہیں رہا۔ چھ سات مہینے تو ہو گئے ہونگے۔ مگر صرف وقت کا حساب رکھنا ہی مشکل نہیں ہوا بلکہ یادوں کا بھی کوئی حساب نہیں۔ شکر ہے تم نے بالآخر تصویریں بھیجیں بچوں کے چہرے دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ اتنا وقت گزر چکا ہے۔..... تم سب اب کب نظر آؤ گے۔ عید کا چاند ہوئے اب ساتویں عید جا رہی ہے۔ بے حد عید مبارک ہو۔''

خط محررہ 13/01/1991

''..... وہ کون خاتون ہے جنہوں نے یہ دلچسپ تبصرہ کیا کہ میری انگریزی میری اردو سے بھی بہتر ہے۔ حالانکہ میری انگریزی میری اردو سے بھی خراب ہے۔

یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زبانوں کا ذوق بہت بلند عطا کیا ہے لیکن میں اس ذوق سے استفادہ میں ناکام رہا ہوں جیسا کہ حق تھا۔ نہ اردو پر محنت کر سکا نہ فارسی اب تو یہ حال ہے کہ اپنی تحریر، تقریر کی خامیاں دیکھ کر بسا اوقات شرمندہ ہوتا ہوں۔ جماعت کا اخلاص انکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور میری شرم رہ جاتی ہے۔''

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کی وفات کے بعد میری اہلیہ کے خطوط کے جواب میں حضور نے جو خطوط لکھے ان کے اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔

خط محررہ 03/07/1992

''تم نے ساری باتیں ٹھیک لکھی ہیں بی بی کے جانے کے بعد وہ بات نہیں رہی تینتیس (33) سالہ رفاقت روزمرہ کے مشاغل کے ایک ایک منٹ پر حاوی ہے اور کوئی ایسی مصروفیت نہیں جس میں کسی نہ کسی پہلو سے بی بی یاد نہ آتی ہو۔

بچیوں کا دل بہلانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ کوشش رائیگاں نہیں جاتی۔ لیکن ایک یہ احساس بھی ہے کہ وہ شائد مجھے بہلانے کی خاطر خوش دکھائی دینے کی کوشش کرتی ہیں۔ دھوکہ کی یہ قسم تو ضرور جائز ہوگی۔

بہر حال جو وقت گزر گیا اب کبھی لوٹ کر نہیں آسکتا۔ اور بی بی کے دم سے جو ایک بات تھی وہ اسی کے ساتھ رخصت ہوگئی۔

گزشتہ ایک سال سے تمہیں بے حد یاد کر رہی تھی بار بار مجھ سے پوچھتی کہ بلایا ہے کہ نہیں کہتی تھیں کہ میں اپنے کمرہ میں یا ساتھ والے کمرہ میں ہی جگہ دوں گی۔ تا کہ جب چاہیں اور جتنا چاہیں ہم اکٹھے بیٹھیں اور باتیں کریں۔ اچھا ہوا تم آ گئی ورنہ تم سے ملے بغیر ان کا جانا زندگی بھر مجھے ڈستا۔ اللہ بی بی کو غریقِ رحمت فرمائے اور مجھے بھی نیک انجام بنائے۔''

خط محررہ 15/12/1992

''ایک عمر گزرنے کے بعد آخر تمہارا خط ملا۔ اس خط کے بعض حصے تو لگتا تھا روتے ہوئے لکھے ہیں ان آنسوؤں نے میرے بھی سب شکوے دھو دیئے ہیں۔ بی بی کی زندگی اتنی مختصر تھی مجھے اندازہ نہ تھا۔ اب چلی گئیں ہیں تو رفتہ رفتہ پہلے سے بڑھ کر یاد آنے لگی ہیں۔ بچیوں کی اور تمہاری شادی سے پہلے ربوہ میں جو ہم نے اکٹھے دن گزارے اس وقت بھی بہت اچھے لگتے تھے۔ مگر اب تو اور بھی اچھے لگنے لگے ہیں۔ پرانے زمانے یاد آتے ہیں تو سخت دل چاہتا ہے بی بی سے وہ پرانی باتیں کروں وہی پارینہ قصے دوہراؤں اور ہم سب مل بیٹھ کر ان یادوں میں کھوئے جائیں۔

بیماری سے پہلے بارہا مجھے کہتی تھیں جمیل کیوں نہیں آتی اسے بلائیں۔..... مگر تم آئی تو اس وقت آئی جب بیماری نے بے بس کر دیا تھا پھر بھی تمہارے آنے پر بہت خوش تھیں تم سے لڑائی بھی ہوتی تھی مگر پیار بھی بہت تھا۔..... اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اتنا مصروف رہتا ہوں ورنہ بڑی مشکل پڑتی۔''

☆☆☆

خط محررہ 31/10/1993

''تمہارا مزید ار خط مل گیا تھا..... جو بات تم نے لکھی ہے وہ تو مجھے کبھی بھولی ہی نہیں بے وجہ یاد دلائی۔

بی بی (حضور کی بڑی ہمشیرہ) اور محمود جا رہے ہیں کافی بے رونقی ہو جائے گی۔ فائزہ اور طوبیٰ بھی کمر باندھے بیٹھی ہیں پیچھے میں رہ جاؤں گا۔ اور اداسیاں ہاں دان (نواسہ) میرا خیال رکھے گا اور کبھی کبھی شوکی بھی آجایا کرے گی۔

اب انشاءاللہ ماریشس میں ہی ملاقات ہوگی۔''

انگلستان ہجرت کے بعد 1994 تک آپ ہمارے خطوط کے جواب اکثر دستِ مبارک سے ہی دیا کرتے تھے۔ چونکہ آپ بے حد مصروف ہوتے لہٰذا آپ کے خطوط کا دورانیہ لمبا ہوتا گیا۔ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے آپ نے ازراہِ شفقت ہمیں اپنے ذاتی فون پر بات کرنے اجازت دے رکھی تھی لہٰذا حسبِ ضرورت و موقع ہم آپ سے فون پر بات کرنے کی سعادت پاتے رہے۔ ایک مرتبہ میری اہلیہ نے فون کیا تو آپ آرام فرما رہے تھے اس واقع کا دکھ محسوس کرتے ہوئے میری اہلیہ نے آپ کی خدمت میں خط لکھا جس کا جواب آپ نے مورخہ 10/01/1998 کو درج ذیل دیا۔

''تمہارا خط ملا۔ فون والی بات تو معمولی تھی اور اس سے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی مگر تم خوامخواہ ہر بات دل کو لگا لیتی ہو۔ ایسے نہ کیا کرو آجکل مصروفیات بڑھنے کیوجہ سے دراصل میرے اوقات ایسے ہو گئے ہیں کہ پندرہ منٹ بھی آرام کے مل جائیں تو غنیمت ہے۔ لیکن اس دوران اگر فون کی گھنٹی بج جائے اور میں آرام کر رہا ہوں تو سارا نظام

ڈسٹرب ہو جاتا ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ لنڈن کے وقت کے مطابق شام 5 سے 8 بجے کے دوران کبھی بھی بے شک فون کیا کرو جب میں دفتر میں ہوتا ہوں۔ بیڈ روم میں فون کیا ہی نہ کرو۔ جزاکم اللہ احسن الجزا۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو رمضان کی فضیلتوں اور برکتوں سے نوازے اور خوشیاں عطا کرے۔ نئے سال کی مبارک ہو۔''

1995 سے آپ کی وفات تک فون کالز کے علاوہ ہم حسبِ معمول آپ کی خدمت میں خطوط لکھتے رہے جن کے جواب دفتر کی طرف سے موصول ہوتے تھے۔ بعض اوقات خط پر دستخط کرنے کے بعد دستِ مبارک سے بھی کچھ نہ کچھ تحریر فرماتے۔ 17/05/1995 کے تحریر کردہ خط پر درج ذیل نوٹ تحریر فرمایا۔

''یہ خط پہلے کا لکھوایا ہوا ہے اُس کے بعد دو دفعہ تم سے فون پر بات ہو چکی ہے۔ بکی کا نکاح انشاء اللہ جب تم لوگ تیار ہو گے پڑھا دوں گا۔ باقی رہا میری اداسی والا معاملہ تو اسے پہچاننے والا بھی تو کوئی کوئی ہے۔''

ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر امۃ الجمیل نے پیارے آقا کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا اور دستِ مبارک سے خط لکھنے کی درخواست کی۔ آپ نے ازراہِ شفقت جو خط تحریر فرمایا وہ پیشِ خدمت ہے۔

☆☆☆

خط محررہ 13/01/2000

''تمہارا بہت پیارا خط ملا۔ جس میں بچوں کی بھی پیاری پیاری باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ جن سے خط اور بھی سج گیا تھا۔

تم نے اب یاد دلایا ہے تو یاد آ گیا کہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں اپنے ہاتھ سے خط لکھا کرونگا۔ اس لئے فوری طور پر وعدہ پورا کرنے کیلئے یہ چند سطور اپنے ہاتھ سے لکھ رہا ہوں۔ تم لوگ مجھے ہمیشہ یاد رہتے ہو۔ کبھی بھی نہیں بھولے۔ دعا میں بھی ہمیشہ تمھیں یاد رکھتا ہوں اور اپنے ساتھ تمہارے لئے بھی عفو کی دعا کرتا ہوں۔

مبارک، بکی اور اپنے لاڈلے بیٹے عیسیٰ کے علاوہ بریرہ کو بھی بہت بہت سلام و پیار۔''

☆☆☆

غروبِ آفتاب

نا وہ تم بدلے نا ہم طور ہمارے ہیں وہی
فاصلے بڑھ گئے پر قرب تو سارے ہیں وہی

آ کے دیکھو تو سہی بزم جہاں میں کل تک
جو تمہارے ہوا کرتے تھے تمہارے ہیں وہی

یہ بات کہنے کی نہیں کہ ہر سورج کے مقدر میں جہاں طلوع ہے وہاں غروب بھی اس کا نصیب ہے۔ لیکن یہ بات ایک ایسی حقیقت ہے جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے صرف انسان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اپنے روشن کردار اور پاکیزہ سیرت کے بل پر ہمیشہ کیلئے زندہ ہو جاتا ہے۔

اس کتاب کے ورق ورق سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ میرے حضور نے قبل از خلافت اور بعد ھا ایک بھرپور پاکیزہ زندگی گزاری۔ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد تو آپ کی مصروفیات ایک تیز آندھی کے مشابہہ تھیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود کی جماعت کی ہر سمت سے ترقی اور تربیت کیلئے اور حضرت اقدس کے مشن کی تکمیل کی خاطر آپ ایک لگن کے ساتھ دن رات کوشاں رہے۔ اور دنیا کے طول و عرض کے دورے کئے۔ آپ کے دورِ خلافت کا سب سے اہم اور بیش بہا قیمتی تحفہ جو جماعت کو نصیب ہوا وہ MTA کا اجراء تھا۔ آپ نے کمال ہمت اور محنت سے اس کا اجراء فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی عطا کردہ

۔یہ نعمت تا قیامت جماعت احمدیہ کی آئندہ نسلوں کیلئے تربیت کا ایک بہترین ذریعہ ثابت ہوتی رہے گی۔MTA کے اجراء کے بعد آپ کے تاثرات آپکے خط محررہ 29-02-1994 سے پیشِ خدمت ہیں۔

''تمہارا خط ملا بہت عارفانہ تبصرہ ہے۔واقعی خدا تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعود کو عروج عطا فرمادیا ہے اور ہم کو اس سعادت میں شامل کیا ہے۔پوری جماعت کا مورال اَپ ہوا ہے اب تو پاکستان کے گھر گھر میں صوت السماء سنی جاتی ہے۔کاش لوگ جلد ہدایت پکڑیں۔جلدی کریں اور ڈش لگوائیں اس کا تو مزہ ہی اور ہے پروگرام ہیں کہ دن بدن خوبصورت سے خوبصورت ہوتے جارہے ہیں۔اللھمّ زد و بارك''

آج تک دنیا میں ان گنت انسان پیدا ہوئے اور گزر گئے لیکن ہم بہت سے ایسے انسانوں کو جانتے ہیں جو اس دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد بھی ہمارے دلوں اور یادوں میں زندہ ہیں کیونکہ انہوں نے زندگی کو ایسے ڈھنگ سے جیا کہ موت بھی اس کے نقوش نہ مٹا سکی۔تاہم اس حقیقت سے تو کوئی انکار نہیں کہ ہر جان کو بہر حال موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور اس کیلئے یہی نظامِ قدرت ہے کہ انسانی قویٰ رفتہ رفتہ ڈھلنے لگتے ہیں۔وقت کے ساتھ ساتھ حضور کی صحت بھی ڈھلنے لگی اور اپنے دستِ مبارک سے خطوط کا سلسلہ کم ہوتے ہوتے ختم ہوگیا۔تو آپ نے ازراہِ شفقت اپنا ذاتی فون نمبر ہمیں عنایت فرما کر فون پر بات کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔الحمدُ للہ

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے ہم سب گاہے بگاہے حاضرِ خدمت ہوتے رہے اور آپ کی شفقتوں سے حصہ پاتے رہے اور ایک مرتبہ ہم میاں بیوی بمعہ بچوں کے جلسہ سالانہ پر لندن گئے تو جلسہ سالانہ کی مصروفیات کم ہونے کے بعد ہمیں سیر کروانے Lake District

لے گئے ہماری اس سیر کو بفضلِ تعالیٰ یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس بھی اس سیر میں ہمارے ساتھ تھے۔

حضور کے ساتھ ہماری آخری ملاقات جلسہ جرمنی 2002 کے موقع پر ہوئی حضور ان دنوں کافی کمزور ہو چکے تھے ہم اگلے سفر پر روانہ ہونے سے قبل حضور سے ملاقات کرنے کیلئے آپ کے دفتر حاضر ہوئے آپ جماعتی ملاقاتوں کے بعد اپنی قیام گاہ واپس جانے کیلئے کھڑے ہو چکے تھے ہمیں گلے لگایا اور فرمایا میں تم لوگوں کیلئے بہت دعائیں کرتا ہوں۔ اور پھر حضور خدا حافظ کہہ کر روانہ ہو گئے۔ آپ کی زندگی میں اگرچہ یہ تصور بھی ممکن نہ تھا کہ آپ نے بھی بشری تقاضوں کے تحت ایک دن ہمیں اپنی یادوں کے سہارے چھوڑ کر اس دنیا سے وِدَاع ہو جانا ہے۔ تاہم آپ کی گرتی ہوئی صحت اور کمزوری کا عالم غروبِ آفتاب کے قرب کا پتہ دے رہا تھا۔ اور ہم بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے سر جھکائے بارگاہِ خلافت سے الوداع ہوئے اس حقیقت سے یکسر بے خبر کہ آئندہ ملاقات کسی اور رنگ میں ہوگی۔ اور پھر زندگی کے جھمیلوں میں کھو گئے کہ اچانک 19 اپریل 2003 کو آپ کی رحلت کی خبر نے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔

انا اللہ و انا علیہ راجعون

ایک پاک روح اور مطمئن نفس اس حال میں اپنے مولا کے حضور حاضر ہو گیا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے راضی تھے۔ ہم آپ کے آخری دیدار کیلئے انگلستان روانہ ہو گئے جب ائیر پورٹ پہنچے تو ایک اور سعادت ہماری منتظر تھی وہ یہ کہ جس جہاز سے ہم انگلستان جا رہے تھے اسی میں جماعت کا مرکزی وفد حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظرِ اعلیٰ کی سربراہی میں سفر کر رہا تھا لیکن سب اس بات سے بے خبر تھے کہ ہم اپنے ایک محبوب آقا کو الوداع کرنے کیلئے اپنے دوسرے محبوب آقا کے ساتھ شریکِ سفر ہیں۔ سفر کی تنہائیوں میں ذہن کے دریچے

آپ کی یادوں سے جگمگا رہے تھے۔ گزرا ہوا وقت ایک فلم کی طرح نظروں کے سامنے تھا۔ ہر یاد اپنے دامن میں پھولوں کی ڈھیروں پتیاں سمیٹے تھی اور وقت کا لمحہ لمحہ ان پتیوں کو فرشِ دل پر یوں بکھیرتا کہ روح ان کی خوشبو سے مہک مہک جاتی۔ لیکن ان خوشگوار کیفیات پر غم کی سیاہ بدلی تھی جو قطرہ قطرہ آنکھوں سے برس رہی تھی۔

چمکا وہ آسمانِ خلافت پہ اسطرح
دنیائے بحر و بَر پہ وہ احسان کر گیا
عاشقِ رسول تھا وہ خادم مسیح کا
ہر لمحہ اپنی زیست کا قربان کر گیا

☆☆☆

وہ جو اک شخص.....

وہ جو اک شخص ترے غم میں گھلا رہتا تھا
وہ جو ہر آن ترے در پہ پڑا رہتا تھا

جس کا لبریز تھا الفت سے تری ساغرِ دل
تھا چھلکتا بھی ، چھلک کر بھی بھرا رہتا تھا

جس کا دل مسکن و مہبط کسی محبوبؐ کا تھا
اس کے عاشقؐ پہ بھی سو جاں سے فدا رہتا تھا

آج عشاقِ محمدؐ میں سرِ خیل تھا وہ
کوچہ عشق میں زنجیر بہ پا رہتا تھا

خدمتِ دین کا پیکر تھا وہ اک بطلِ جلیل
گامزن نت نئی راہوں پہ سدا رہتا تھا

جس کی الفت میں گرفتار تھے لاکھوں انساں
اور وہ ایسا کہ لاکھوں پہ فدا رہتا تھا

ہاں وہی شخص جو رہتا تھا دلوں میں ہر دم
وہ جو ہر سانس کی ڈوری میں بندھا رہتا تھا

اس کے عشاق کی ہر ملک میں حالت یوں تھی
اس کو ہو جائے نہ کچھ ، دھڑکا لگا رہتا تھا

ہفت اقلیم میں پھیلائے ہوئے دستِ دعا
بھیگی پلکوں سے ہر اک وقفِ دعا رہتا تھا

''مجھ سے ہی پیار وہ کرتا ہے'' یہ تھا سب کو گماں
اس کا پیار ایسا تھا ہر دل میں بسا رہتا تھا

وہ جدھر جاتا تھا کرنیں سی بکھر جاتی تھیں
اپنے ماحول میں خورشید ادا رہتا تھا

زیرِ بار اس کی محبت کئے رکھتی تھی ہمیں
حسن و احساں تلے راشدؔ بھی پڑا رہتا تھا

(عطاءالمجیب راشدؔ)

مکرم شیخ عبدالمجید احمد صاحب (کراچی) کے ہاں عشائیہ کے موقع پر

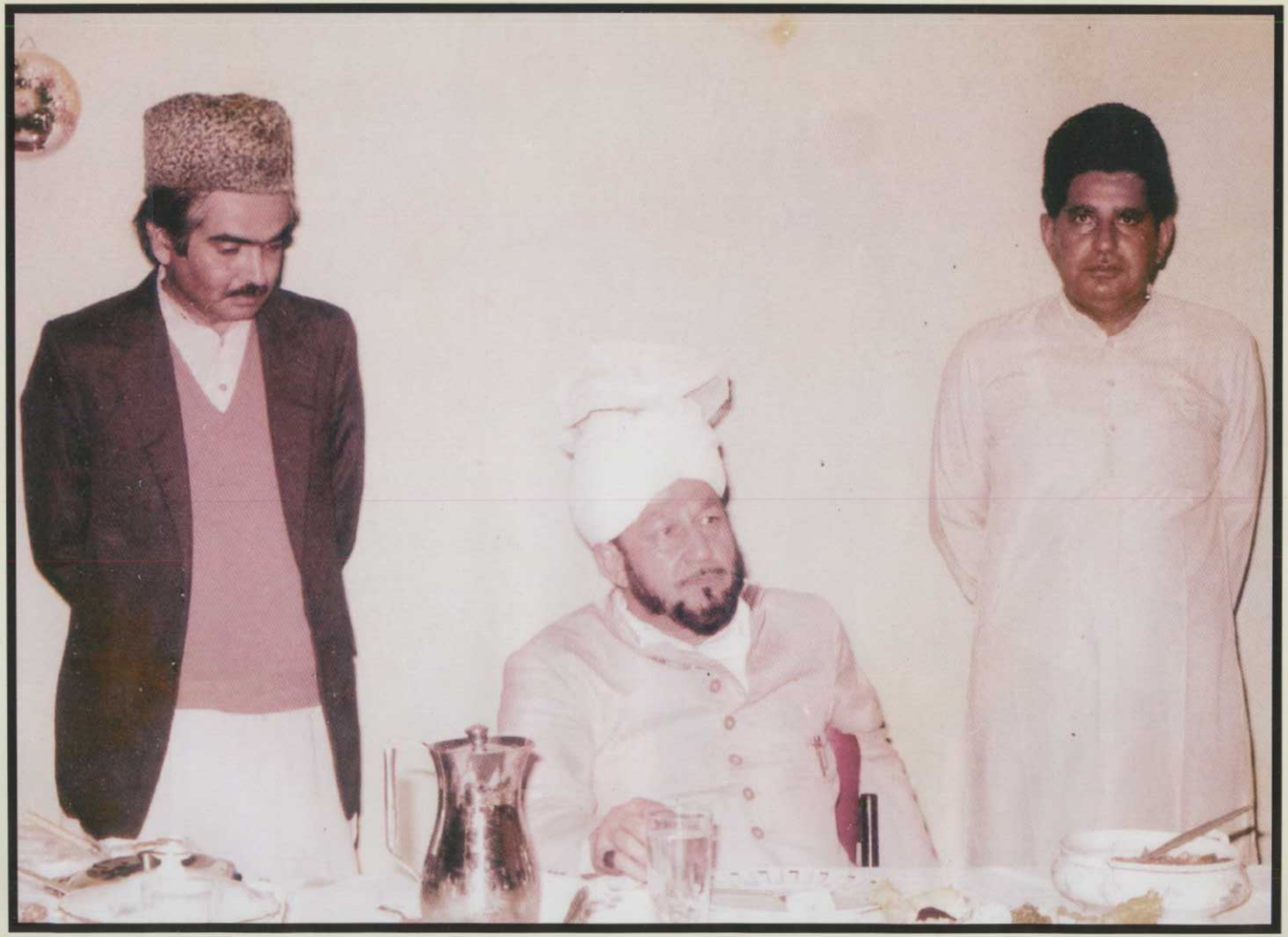

1983 میں دورہ کراچی کے دوران کرم عبیداللہ علیم صاحب کے کلام سے محظوظ ہوتے ہوئے